دل کا سرور
از:
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم
ناشر
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم ۰ گھنٹہ گھر ۰ گوجرانوالہ

قُلْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (قرآن کریم)

ترجمہ

فرما دیجئے! میں تمہارے ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔

لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا (بخاری و مسلم)

ترجمہ: میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

تحقیق مسئلہ "مختارِ کُل" الموسوم بہ:

دِل کا سُرور

جس میں

قرآنِ کریم، صحیح احادیث، عقائدِ صحابہ کرامؓ اور جمہور سلفؒ و خلفؒ سے ثابت کیا گیا ہے کہ تکوینی اور تشریعی طور پر حاکم اور مختارِ کُل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے کسی دوسرے کو نہ ذاتی طور پر اختیار حاصل ہے اور نہ عطائی طور پر، فریق مخالف نے جن آیات و احادیث سے استدلالات کئے ہیں نہایت تحقیق سے ان کے جوابات بھی عرض کر دیئے گئے ہیں

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر گکھڑ منڈی

جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ محفوظ ہیں

نام کتاب ——— دل کا سرور

تالیف ——— شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ

طبع دوازدہم ——— اپریل ۱۹۹۹ء

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— فائن بکس پرنٹرز لاہور

قیمت ——— ۴۲ روپے

ملنے کے پتے
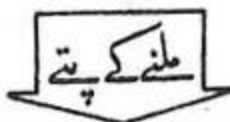
مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

○ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی نمبر ۱۶ ○ مکتبہ امدادیہ ملتان

مکتبہ حقانیہ ملتان ○ مکتبہ مجیدیہ ملتان ○ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید لاہور ○ مکتبہ قاسمیہ لاہور ○ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

اسلامی کتب خانہ ایبٹ آباد ○ مکتبہ صدیقیہ حضرو اٹک ○ مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

فہرست مضامین

باب پنجم

دیباچہ

ربّ العزّت کی بڑی نوازش اور مہربانی ہوئی کہ مسئلہ "مختارِ کل" پر اِس
کوتاہِ علم و عمل نے جو سرسری طور پر ایک کتاب "دل کا سرور" لکھی تھی اس کو
بے حد شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، طلبہ کرام اور عامۃ المسلمین کے علاوہ
بڑے بڑے جیّد علماءِ عظام نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اس میں
جمع کردہ دلائل کی تعریف کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔

اس امر کی اشد انتظار تھی کہ کوئی صاحبِ علم اور ہمت اس کتاب
پر کچھ تنقید کریں تاکہ غلطی کی صورت میں تصحیح کا موقع میسر ہو جائے اور نیز
ان کے دلائل اور تنقید کا معیار بھی معلوم ہو جائے۔ ایک صاحب نے "نورِ ہدایت"
کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے مگر ان کو علم سے کوئی مس نہیں
ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بالکل مبتدی ہیں تاہم اُن کی کتاب میں
جو اُمور قدرے قابلِ جواب تھے ہم نے اُن کے مسکت جوابات "راہِ
ہدایت" میں دے دیئے ہیں اور اس کتاب میں بھی بعض مقامات پر
اُن کے مغالطات کے جوابات لکھ دیئے گئے ہیں اور باقی لچر باتوں کی طرف
مطلقاً دھیان ہی نہیں کیا گیا۔

ابو الزاہد
محمد سرفراز خان صفدر ۱۶ شوال ۱۳۷۹ھ / ۱۳ اپریل ۱۹۶۰ء

الحمد للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من
المسلمین والصلوٰۃ والسلام علی من ارسلہ لاماطۃ الشرک
والبدعۃ من العرب والعجم وعلی الہ واصحابہ الذین سعوا فی
اشاعۃ التوحید والسنۃ متدبرین بقولہ تعالیٰ فاعبدوا اللہ
مخلصین لہ الدین۔ اما بعد

ایک زمانہ وہ تھا کہ کلمہ پڑھنے والوں نے شرک اور کفر کی دھجیاں فضائے آسمانی
میں بکھیریں کہ دُنیا بھر کے تمام رفوگر جمع ہو کر بھی اُن کے جوڑنے سے عاجز
آ گئے اور اہلِ توحید نے باطل اور شرک کے لباس کے بخیے اس طرح اُدھیڑ دیے
کہ نہ روم و فارس کی مضبوط حکومتیں ان کو پیوند لگا سکیں اور نہ احبار و رہبان سے
ہی کچھ بن سکا۔ مگر امتدادِ زمانہ کی وجہ سے جب اسلام کا نام لینے والوں میں
یقینِ محکم کی جگہ اوہام پرستی، قبر پرستی، پیر پرستی حتیٰ کہ درخت پرستی اور نسل پرستی
نے لے لی تو مختلف طریقوں سے شرک کے جراثیم ان میں گھس گئے اور اس انداز

سے گُسے کہ اس سخت جان مریض نے اس مرض کو اپنی لاعلاج بیماری کا تریاق سمجھا اور جس شرک سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک بیشمار نبی اور رسول مبعوث فرمائے تھے، بہت سے کلمہ پڑھنے والوں نے اسی شرک کا جام پی کر توحید پرستوں کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنا شروع کر دیا اور بڑے بڑے فرزانے بھی دیوانے بن گئے۔ فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى

الغرض وہی شرک جس کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا تھا، وہی شرک جس کو مٹانے کے لیے حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، وہی شرک جس کو ختم کرنے کے لیے حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے وہی شرک جس کو نیست و نابود کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے، وہی شرک جس کو محو کرنے کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے انتھک کوشش کی، وہی شرک جس کو پامال کرنے کے لیے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ کی ضرب کاری لگائی اور وہی شرک جس کا قلع قمع کرنے کیلیے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین رحمۃ للعٰلمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اسی شرک سے کلمہ گو جاہل اور سادہ لوح مسلمان دو چار ہو گئے اور اس کو ایسا سینے سے لگایا کہ بیاں بلیب آئی اور اس کو نہ چھوڑا۔ ابلیس لعین شرک کے دلربا گھونٹے اور ابلیسانہ بام جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر

جلیل القدر پیغمبروں کے زمانہ میں پلا تا رہا آج بھی وہ پلا رہا ہے، شرک کا بد بودار اور گدلا پانی تو وہی ہے البتہ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے جام کا رنگ ضرور بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ علّامہ اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں

اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

اور اس ابلیسِ لعین نے شرک کی ترویج کی بڑی بڑی درس گاہیں اور کالج سجاتے ہیں اور ایسے ایسے ہتھکنڈے اپنی ذریت کو سکھلاتے ہیں، کہ سادہ لوح کا تو کہنا ہی کیا بڑے سے بڑا منطقی اور فلسفی بھی اُلجھ کر رہ جاتے، انھی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ رپ ۱۳ ابراھیم (آخری رکوع)

یعنے مشرکین کا مکر ایسی جگہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اس سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو بعید نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کے اس ابلیسانہ داؤ کو بیکار کر کے رکھ دیا، جس دین اسلام کو پھیلانا تھا اس کو پھیلایا اور جس آفتاب توحید کی چمک دمک کو دنیا پر ظاہر کرنا تھا، ہر سُو اس کو خوب ظاہر کیا۔ دنیا کی کوئی قوت اس کو روک نہ سکی۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

اس سے قبل کہ ہم اصل مقصد کو بیان کریں، چند ضروری باتوں کا ظاہر کرنا

مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ یہ کتاب ہم نے اس مضمون پر لکھی ہے کہ مختارِ کُل صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختارِ کُل کا معنیٰ بھی بیان کر دیا جائے تاکہ محلِ نزاع متعین ہو جائے، مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ مختار اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول کا بھی، اگر اسم فاعل کا صیغہ ہو تو اس کا معنیٰ ہو گا اختیار رکھنے والا، اور اگر اسم مفعول ہو تو اس کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اختیار دیا گیا اور دوسرا یہ کہ چُنا ہوا اور انتخاب کیا ہوا۔

اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مختارِ کُل کا جملہ بولا جائے اور اس سے مُراد اسم مفعول کا دوسرا معنیٰ ہو تو میرا اور میرے تمام اکابر کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سے علوِ مرتبت اور جلالتِ شان اور ختمِ نبوت کے لیے صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی چنا اور انتخاب فرمایا ہے اور اس شان اور صفت میں آپؐ کا کوئی ہم پلّہ نہیں، اور اختصاراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

اور یہی سچّے مومن کی خوبی ہے کہ خدا کو خدا سمجھے اور رسول کو رسولؐ اس میں توہین نہیں، بلکہ عین محبت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سچّے مومن سے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت کو جُدا کرنا ناخن سے گوشت کو جُدا کرنے کے

مترادف ہے اور اگر اسم مفعول کا پہلا معنی (کہ جملہ جہان کے اختیارات آپ کو دیئے گئے تھے) مراد لی جاتے یا اسم فاعل کا یہ معنی قصد کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام جہان کے اختیارات رکھنے والے ہیں تو میرا اور میرے تمام اکابر بلکہ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اتباع تابعینؒ اور تمام آئمہ اہل السنّت والجماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے کہ تکوینی اور تشریعی طور پر حاکم اور مختار صرف اللہ ہی ہے اس نے مافوق الاسباب اختیارات کسی کو نہیں دیئے اس مسئلہ کی پوری تفصیل تو آگے کتاب میں آئے گی، لیکن مقدمہ میں بعض دلائل کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ مقصد کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

۲۔ قرآن کریم کا یہ دعوٰی ہے کہ مومن تو بہر حال اس کا اقرار کرتے ہی ہیں کہ مالک کل اور مختارِ کل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن قرآن کریم کا یہ بھی دعوٰی ہے کہ مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ تمام کائنات کا مدبر (مدبرامر) صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے، سورۂ یونس وغیرہ میں اس کی پوری تشریح موجود ہے اور "گلدستۂ توحید" میں اس مسئلہ کو نہایت بسط سے بیان کیا گیا ہے، یہاں صرف ایک ہی آیت پیش کی جاتی ہے۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○	آپ یہ بھی کہیئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ (پ ۱۸ مومنون رکوع ۵) سکتا۔ اگر تم جانتے ہو۔ وہ ضرور کہیں گے کہ یہ سب صفتیں بھی اللہ ہی کی ہیں۔

اس آیت سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ مشرکین عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ تمام چیزوں کا اختیار رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

فَاِنِّیْ لَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا (بخاری ج ۲ ص ۲، مسلم ج ۱ ص ۱۱۴، ابوعوانہ ج ۱ ص ۹۳، ومسند احمد ج ۶ ص ۱۸۷) کہ بے شک میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں

اس حدیث کی پوری عبارت کا ترجمہ اپنے موقع پر ذکر کیا جائے گا یہاں صرف اتنا ہی بتلانا منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا آخری پیغمبر قرآن کریم اور صحیح حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ مختار کل اور مالک کل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مالک کل اور مختار کل نہیں ہیں۔

۳۔ آئمہ اہل سنت والجماعت کے چند اقوال اور عبارتیں ملاحظہ فرمایئے۔

تمام اہل سنت والجماعت کا اشیاء کی حلت اور حرمت کے باب میں تحقیقی مسلک یہ ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے، کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اسی کا کام ہے وہ اس میں متفرد ہے اور یہ خالص اسی کا

حق ہے کسی دوسرے کو اس میں کسی نوع سے دخل نہیں ہے نہ بالذات، کسی کو یہ اختیار حاصل ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار کسی کو تفویض کیا ہے چنانچہ شیخ محقق کمال الدین ابن الہمام الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

الحاکم لاخلاف فی انہ اللہ رب العلمین (تحریر ۲ ص۳۶)

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حکم دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اور علامہ محب اللہ بہاری الحنفیؒ مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں۔

لاحکم الا من اللہ ص۱۲

حکم صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہوتا ہے

یہی عبارت کم و بیش اصول فقہ کی مشہور کتاب التوضیح والتلویح ص۳۵ پر بھی ہے اور اسی مضمون کو علامہ ابن امیر الحاجؒ نے شرح تحریر الاصول ۲ ص۸۱ پر اور علامہ اسنوی شافعیؒ نے شرح منہاج الاصول ا ص۲۲ پر نہایت بسط اور شرح کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حکم شرعی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے رہا حکم رسول، حکم اہل اجماع اور حکم مجتہد تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کا مظہر اور کاشف ہوتا ہے حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور علامہ ابو جعفر النحاسؒ (المتوفی ۳۳۸ھ) اپنی مشہور کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھتے ہیں۔

وھکذا سبیل الاحکام انما تکون من قبل اللہ عزوجل ص۱

احکام کا یہی طریق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوتے ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنی مشہور اور بے نظیر

کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں :-

وسر ذلك ان التحليل والتحريم عبارة عن تكوين نافذ في الملكوت ان الشيء الفلاني يؤاخذ به او لا يؤاخذ به فيكون هذا التكوين سببا للمؤاخذة وتركها وهذا من صفات الله تعالى واما نسبة التحليل والتحريم الى النبي صلى الله عليه وسلم فبمعنى ان قوله امارة قطعية لتحليل الله وتحريمه واما نسبتها الى المجتهدين من امته فبمعنى روايتهم ذلك عن الشرع من نص الشارع او استنباط معنى من كلامه[1]

اور اس کا راز یہ ہے کہ تحلیل و تحریم اس تکوین کا نام ہے جو عالم ملکوت میں نافذ ہوتی ہے کہ فلاں شئے پر مواخذہ ہوگا یا نہ ہوگا پس یہی تکوین اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے، رہی تحلیل و تحریم کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف تو وہ اس معنیٰ میں ہے کہ آپ کا قول قطعی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کرنے کی اور مجتہدین کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت اس معنیٰ میں ہے کہ وہ اس کو نص شارع سے روایت کرتے ہیں یا کلام شارع سے استنباط کر کے بتاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور نہایت صاف طور پر معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ کہ احکامِ شرعی امورِ تکوینی کی طرف راجع ہیں اور تکوین اللہ تعالیٰ کی صفات میں داخل ہے اور اس صفت میں دیگر صفات کی طرح اس کا

کوئی بھی شریک و سہیم نہیں۔

۲۔ شرعی امور میں حلت اور حرمت کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس معنی میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مبلغ ہیں اور آپ کا کسی چیز کو حلال یا حرام کہنا اس بات کی قطعی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حلال یا حرام فرمایا ہے نہ یہ کہ آپ کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

۳۔ آئمہ مجتہدینؒ کی طرف بھی تحلیل اور تحریم کی نسبت اس معنی میں ہے کہ وہ نص شارع سے اس چیز کے حلال اور حرام ہونے کو پیش کرتے ہیں اور یا شارع کے کلام سے اجتہاد اور استنباط کرتے ہیں مجتہدین کی طرف تحلیل اور تحریم کی نسبت اس معنی میں نہیں کہ وہ از خود کسی چیز کو حلال یا حرام کر سکتے ہیں اور نہ یہ کہ ان کا قول ایک نئی شریعت کے مرادف ہے، جیسا کہ سمجھنے والوں نے غلطی سے سمجھ رکھا ہے۔

مؤلف نور ہدایت کی جہالت ملاحظہ ہو وہ لکھتا ہے کہ "اور اگر محض مبلغ ہونے کی وجہ سے آپ کو محلل و محرم (حلال و حرام کرنے والا) کہا جاتا ہے تو کیا ہر مولوی کو مبلغ ہونے کی وجہ سے محلل و محرم کہہ سکتے ہیں؟ ص ۱۷

ہاں ضرور کہہ سکتے ہیں مگر صرف مجازاً جیسے مجتہدین کو مجازاً یہ کہہ سکتے ہیں اور حافظ بدر الدین عینی الحنفیؒ نے تو صاف کہا کہ تحلیل اور تحریم میں کسی بشر کا دخل نہیں۔ فیہ ان التحلیل والتحریم من عند اللہ لا مدخل لبشر فیہ (عمدۃ القاری ۱۲ ص ۲۳۵)

یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تحلیل اور تحریم خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی

ہے اس میں کسی بشر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

مذہب صحیح آنست کہ امر شریعت مفوض بہ پیغمبر نمی باشد زیرا کہ منصبِ پیغمبری منصبِ رسالت و ایلچی گری است نہ نیابت خدا و نہ شرکت در کار خانہ خدائی آنچہ خدائے تعالیٰ حلال و حرام فرماید آں را رسول تبلیغ می کند و بس از طرف خود اختیارے ندارد ص۲۳۵

صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت بنانے کا امر پیغمبر کو سپرد نہیں کیا جاتا کیونکہ پیغمبری کا منصب رسالت اور پیغام رسانی کا منصب قرار پایا ہے نہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی نیابت اور نہ کارخانہ خداوندی میں شرکت۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام فرمایا ہے نبی اس کی تبلیغ کرتا ہے اور بس اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں ص۲۶۱

"بدیہی است کہ امام بلکہ نبی نیز شارع نیست شارع حق تعالیٰ است"

کھلی بات ہے کہ امام بلکہ نبی بھی شارع نہیں ہوتا شارع صرف پروردگار ہے

اور حضرت شیخ عبدالحق رحؒ کی ایک عبارت باب پنجم حدیث ۵ کے تحت آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ اور اس سے ان کی اس عبارت کہ احکام مفوض است بآنحضرت الخ کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے جس سے مؤلف نور ہدایت نے ص۱۸ میں غلط استدلال کیا ہے۔

حضرات! آپ نے ائمہ اہل السنت والجماعت کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمالی ہیں کہ کسی چیز کے حلال و حرام کرنے کا شرعی امور میں بھی حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات، بابرکات کے ساتھ مختص ہے امام اور نبی بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کسی چیز کو حلال اور حرام نہیں کر سکتے تھے آپ کا کام صرف یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو وضاحت کے ساتھ پیش فرما دیتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ۔ (پ ۶، مائدہ ۱۰ع)	اے رسول (آپ کا کام صرف یہ ہے کہ) جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام نازل کئے گئے ہیں ان کی تبلیغ کر دیجئے۔

۱۷۔ اہلسنت والجماعت کا اس بات پر تو پہلے ہی اتفاق تھا کہ تکوینی امور میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی شریک نہیں، اگر عوام الناس یا سادہ لوح مسلمانوں کو شبہ ہو سکتا تھا تو صرف اس بات میں کہ تشریعی امور میں شاید انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مجتہدین کرامؒ کا کچھ دخل ہو تو ائمہ کرامؒ نے اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے کہ تشریعی امور میں بھی انبیاء عظام علیہم السلام اور مجتہدین کرامؒ بلکہ خود جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی نوع سے بھی دخل نہیں اور اس مسئلہ کی تفصیل کی ضرورت ان حضرات کو اس لیے پیش آئی کہ رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کے تمام معاملات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور آئمہ کے سپرد کر دیتے ہیں چنانچہ شیعہ حضرات کی مشہور اور مستند کتاب "اصول کافی" میں باب التفویض الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی الائمۃ علیہم السلام فی امر الدین ایک باب قائم کیا ہے اور اس کی تائید کے لیے امام جعفرؒ سے چند حدیثیں پیش کی ہیں ایک حدیث یہ ہے:-

ان اللہ عزوجل فوض الی نبیہ علیہ السلام امر خلقہ لینظر کیف طاعتھم ثم تلا ھذہ الآیۃ "مَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" (اصول کافی، باب ۲ ص ۲۴۸)

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے معاملات اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیئے ہیں تاکہ وہ دیکھے کہ ان کی اطاعت کیسی ہے؟ پھر یہ آیت پڑھی کہ جو چیز تمہیں رسول دے اس کو لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کرے اس سے رک جاؤ۔

جب علامہ قزوینی کو یہ اشکال پیش آیا کہ باب میں تو امر الدین کی قید ہے اور حدیث میں امر خلقہ کے الفاظ ہیں دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام تو انہوں نے شرح میں یوں گلو خلاصی کرائی کہ امر خلقہ میں تعمیم کی بجائے بعض کار مخلوقین سے تخصیص کر دی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"بدرستیکہ اللہ عزوجل واگذاشت بسوئے نبی خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض کار مخلوقین خود تا امتحان کند الخ"

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے بعض کام اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد کر دیئے ہیں تاکہ وہ امتحان کرے الخ

(صافی شرح کافی جز ۳ حصہ اول ص ۲۴۸ طبع نولکشور)

اس حدیث سے تو یہی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوق کے تمام امور کا (جیسا کہ لفظ امر خلقہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے) یا بعض امور کا جیسے کہ باب کے الفاظ فی امر الدین سے اور علامہ قزوینی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے) مختار بنا رکھا اور ان امور کی تفویض آپ کی طرف کر دی ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفویض تمام آئمہ کو بھی حاصل تھی۔ چنانچہ اصول کافی ہی میں لکھا ہے۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ لم یزل متفردا بوحدانیتہ ثم خلق محمداً وعلیاً وفاطمۃ فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا واجری طاعتھم علیھا وفوض امورھا الیھم فھم یحلون ما یشاءون و یحرمون ما یشاءون (اصول کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ مع الصافی ج۳ حصہ ۲ ص ۱۴۶ نولکشور)

بیشک اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت میں منفرد رہا۔ پھر اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو پیدا کیا۔ ایک ہزار سال تک سلسلہ یونہی رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو پیدا کیا اور ان کو اشیاء کے پیدا کرنے وقت حاضر کیا اور ان کی فرمانبرداری ان اشیاء پر فرض کی اور ان تمام اشیاء کو ان کے سپرد کر دیا۔ سو وہ جو چاہتے ہیں حلال کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں حرام کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روافض کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا تھا کہ وہ جو چاہتے حلال کر دیتے اور جو چاہتے حرام کر دیتے اور یہی منصب غالباً ان کے تمام ائمہ کو حاصل تھا۔ شیعہ حضرات کی ان حدیثوں سے یہ امور ثابت ہوئے۔

۱۔ کہ تشریعی امور (یا تمام امور تکوینی ہوں یا تشریعی) اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر ائمہ کرام کو تفویض کر دیئے ہیں۔

۲۔ یہ اکابر جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔

۳۔ حضرات شیعہ نے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا کی آیت سے اپنے اس دعویٰ پر استدلال کیا ہے اور یہی دعویٰ اور یہی دلیل آج کل بریلوی حضرات کی طرف سے پیش ہوتی ہے۔

اصول کافی کی یہ روایت تو اس طرح ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی روایت حضرت امام جعفر صادقؓ سے اس کے خلاف ہے چنانچہ

مروی ہست کہ امام ابو حنیفہؒ از امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پرسید یا ابن رسول اللہ ھَلْ فَوَّضَ اللہُ الْاَمْرَ اِلٰی عِبَادِہٖ؟ قَالَ اللہُ تَعَالیٰ اجل من ان یفوض الربوبیۃ الی العباد الخ (مکتوبات معصومیہ ج ۳ مکتوب ۸۳)

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادقؓ سے دریافت کیا کہ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ نے اپنا کام اپنے بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا (توبہ) اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ربوبیت اپنے بندوں کو سپرد اور مفوض کر دے

اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی طرف یہ نسبت ہرگز صحیح نہیں ہے کہ وہ اس عقیدہ پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امر عباد سپرد اور مفوّض کر دیا تھا۔ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً

ہاں اصلاح اور رشد و ہدایت کا معاملہ جو رسول کا فریضہ ہوتا ہے وہ محل نزاع نہیں ہے لیکن اس میں اختیار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیعہ حضرات کا ایک خاص گروہ ہے جس کو المفوضہ سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ باطل فرقوں کے نام لکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

المفوضۃ فھم القائلون ان اللہ فوض تدبیر الخلق الی الائمۃ وان اللہ اقدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خلق العالم وتدبیرہ الخ
(غنیۃ الطالبین طبع رفیق عام لاہور ص۱۲۳)

ان باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ مفوضہ بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے معاملات ائمہ کو تفویض کر دیئے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت عطا کر دی ہے۔

اہلسنت والجماعت کے مشہور محدث فقیہہ فلسفی اور متکلم سید شریف جرجانی الحنفیؒ شرح مواقف میں لکھتے ہیں:۔

المفوضۃ قالوا ان اللہ فوض خلق الدنیا الی محمد صلی اللہ

مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا، اور

علیہ وسلم ای اللہ خلق محمدًا وفوض الیہ خلق الدنیا فھو الخلاق لھا وبما فیھا۔
(شرح مواقف ص۴۷۵ طبع نولکشور)

دنیا و ما فیہا کی پیدائش آپؐ کے سپرد اور تفویض کر دی چنانچہ اب دنیا و ما فیہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی پیدا کیا۔

الحاصل آئمہ اہل السنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ جس فرقہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر آئمہ حضرات کو مختارِ کل تسلیم کیا ہے وہ باطل اور گمراہ فرقہ ہے اور اہل السنت و اہل التوحید سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بعض کج بحث اور کم فہم لوگوں نے (جن میں مؤلف نور ہدایت بھی ہیں دیکھئے ص۱۶) یہ کہا ہے کہ سید سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شارع تسلیم کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ تفویض احکام کا قول اہل السنت کا عقیدہ ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ ہم مفوضہ فرقہ کو گمراہ تصور کرتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خالق ہیں لہذا یہ عبارت ہماری تردید میں نہیں پیش ہو سکتی (محصلہ)

الجواب: کسی اہلِ سنت کا یہ عقیدہ نہیں تھا اور نہ ہے کہ احکام میں آپ کو حلت و حرمت کا منصب تفویض کیا گیا تھا، آپ کو جس معنی میں شارع کہا گیا ہے وہ صرف مجازی ہے اور غیر منصوص احکام میں آپ بھی اجتہاد کر سکتے تھے جیسا کہ مجتہدین کیا کرتے تھے۔ یہ جدا بات ہے کہ مجتہدین کے

اجتہاد میں خطا باقی رہ سکتی ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہ کر دیا جاتا تھا، شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور بس، راقم کی اس زیر نظر کتاب "دل کا سرور" کے علاوہ "ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب" اور "رد نور ہدایت" میں اس کی بحث ملاحظہ کیجیے مؤلف "نور ہدایت" حضرت شیخ جیلانی رح کی عبارت میں سے وتدبیرہ کے جملہ کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گیا ہے علاوہ ازیں سید شریف رح کی مذکورہ عبارت کا یہ مطلب لینا یا سمجھنا کہ مفوضہ فرقہ مستقل طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خالق عالم سمجھتا تھا یا سمجھتا ہے انتہائی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ جب اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار تفویض کیا ہے تو پھر مستقل اور ذاتی کا کیا سوال؟ بلکہ وہ اس معنی میں آپ کو خالق سمجھتا ہے جس معنی میں بریلوی حضرات، آپ کو امور تکوینیہ میں متصرف مانتے ہیں یعنی محض سبب کے طور پر کیونکہ حسب تصریح سید شریف رح ایسا کافر اور بت پرست دنیا میں کوئی آیا ہی نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو واجب الوجود تسلیم کیا ہو، وہ جن کی بھی تعظیم کرتے تھے محض اس لیے کرتے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں، چنانچہ وہ خود صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ

فانھم لا یقولون بوجود الٰھین	بت پرست دو واجب الوجود الٰہوں کے
واجبی الوجود ولا یصفون الاوثان	قائل نہیں اور نہ وہ ان اوثان کو صفات
بصفات الالٰھیۃ وان اطلقوا	الوہیت سے متصف مانتے ہیں اگرچہ وہ ان پر

عليها اسم الالهة بل اتخذوها على
انها تماثيل الانبياء او الزهاد او
الملائكة او الكواكب واشتغلوا بتعظيمها
على وجه العبادة توصلا بها الى ماهو
الٰہ حقیقۃ (انتہٰی بلفظہٖ شرح مواقف ص۵۸۰
طبع نولکشور)

الٰہ کا اطلاق کرتے ہیں بلکہ انہوں نے تو
انبیاء کرام علیہم السلام یا نیک بندوں یا فرشتوں
یا ستاروں کی تصویریں اور بت بنا کر ان کی
محض اس لیے عبادت شروع کر دی تاکہ
وہ اس طریقہ سے الٰہ حقیقی تک رسائی حاصل
کر سکیں۔

اور امام رازیؒ کی عبارت بھی اس کے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وجود، قدرت، علم اور حکمت میں برابر شریک تسلیم کرنے والا آج تک کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ ملاحظہ کیجئے تفسیر ج۱ ص۲۳۱

اور یہی عقیدہ اور عمل ہے بریلوی حضرات کا کہ وہ محض تقرب الٰہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ما فوق الاسباب وسیلہ بناتے ہیں اعاذنا اللہ منہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ولا اعتقد احد من بنی آدم ان
کوکبا من الکواکب خلق السموات
والارض وکذلک الشمس والقمر
ولا کان المشرکون قوم ابراہیم
یعتقدون ذلک الی ان قال و

اولادِ آدم میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ
کسی ستارے نے آسمان و زمین پیدا کیئے
ہیں اور نہ یہ عقیدہ ہے کہ سورج اور چاند ان
کے خالق ہیں اور نہ مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا
جو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

قوم ابراھیم کانوا مقرین بالصانع و قال وکانوا یصلون الی القطب الشمالی الخ (شرح حدیث النزول صہ۹۸، ۹۹ طبع امرتسر)

مذہب پر تھا تے تھے (پھر آگے فرمایا) بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اللہ تعالیٰ کو صانع یقین کرتی اور قطب شمالی کی طرف، نماز بھی پڑھتی تھی۔

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام، زُہاد، ملائکہ اور کواکب وغیرہ کو مظہر ذاتِ خداوندی کہہ کران کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور یہی عقیدہ آج بھی موجود ہے اور قطبِ شمالی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے اور نیک لوگوں کے ذریعہ سے ایسا تقرب چاہنے والے آج بھی موجود ہیں پھر کمی کس بیز کی ہے؟ زبان سے تو کبھی کسی قوم نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ ہم مشرک ہیں کیا یہود اور نصاریٰ بلکہ عرب کے مشرکوں نے کبھی اس کا اقرار کیا ہے کہ ہم مشرک ہیں؟ مگر کیا وہ واقعی مشرک نہ تھے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مشرک نہیں کہا؟ حق یہ ہے کہ دولتِ ایمان کی زندہ تجا وید کیفیت، بغیر قسمت کے کسی کو نہیں مل سکتی۔ ؎

قسمت ہی سے ملتا ہے کسی اہل وفا کو
وہ سوز دروں جس کا کوئی نام نہیں ہے!

مسلمان کا یہ ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ کارخانۂ خداوندی میں کوئی

پتہ اور ذرہ بغیر اس کے حکم کے حرکت نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے قرآن کریم صحیح احادیث اور بزرگانِ دین کی صدہا عبارتیں اس پر موجود ہیں جو راقم الحروف کی اس کتاب دل کا سرور، راہ ہدایت اور گلدستہ توحید وغیرہ میں آپ کو مل سکتی ہیں وہ تو وہاں ہی ملاحظہ کریں صرف ایک عبارت (علامہ الابشیہیؒ المتوفی سنہ ۸۵۰ھ) کی ہم یہاں عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

مرید للکائنات مدبر للحادثات لا یجری فی ملکہ قلیل ولا کثیر ولا جلیل ولا حقیر خیر او شر نفع او ضر الا بقضائہ وقدرہ وحکمہ ومشیئتہ (المستطرف فی کل فن مستظرف ج ۱ ص)	اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تمام کائنات وجود پذیر ہوتی ہے اور وہی تمام حادثات کا مدبر ہے اس کے ملک میں کوئی تھوڑی اور زیادہ کوئی چھوٹی اور بڑی کوئی خیر اور شر اور کوئی نفع اور ضرر جاری نہیں مگر صرف اس کے فیصلہ اس کی تقدیر اس کے حکم اور اس کی مشیت سے (اس میں اور کسی کسی لحاظ سے کوئی دخل نہیں ہے)

غرضیکہ کائنات کے ایک ایک ذرہ میں تصرف صرف مالک حقیقی اور خالق کائنات ہی کا نافذ و ساری ہے کسی اور کا اس میں ذرہ برابر اختیار نہیں ہے اور سب نظام عالم اسی کے حکم کا پابند ہے اور بس ؎

ہستی کا ہر نظام ہے مجبور اضطراب
وہ ذرہ کون سا ہے نہ تم دل کہیں جسے:

۵۔ آپ نے مفوضہ اور روافض وغیرہ کا عقیدہ تو سن ہی لیا اب اس فرقہ کا عقیدہ بھی سن لیں جو بزعم خود نہ صرف مسلمان ہی ہے بلکہ اہل السنت والجماعت کا لقب اُن کے خیال سے صرف انہی کے لیے وقف اور ریزرو ہے۔ اور جو لوگ صحیح توحید اور رسالت کے قائل ہیں وہ ان کا اس فرقہ کے نزدیک کافر، گستاخ، بے ادب اور وہابی ہیں۔ میری مراد اس فرقہ سے بریلوی حضرات ہیں جن کے پیشوائے اعظم اور مقتدیٰ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی ہیں وہ لکھتے ہیں۔

"حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی مرادیں سب حضور کے اختیار میں ہیں۔"

(برکات الامداد ص۸ و ملفوظات حصہ چہارم ص۷)

حضرات! روافض اور مفوضہ کا عقیدہ تو اتنا ہی تھا کہ امور دین بالعبض کے نزدیک امور تشریعی و امور تکوینی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے تفویض کر دیئے ہیں لیکن مجھے ان کی کوئی ایسی عبارت نہ مل سکی جس سے دنیا اور آخرت کے تمام امور مراد لی جائے لیکن مقابلہ میں خانصاحب بریلوی نے مفوضہ اور روافض کو بھی چند قدم پیچھے چھوڑ دیا کہ دُنیا کے علاوہ آخرت کی بھی تصریح کر دی اور ہر قسم کی حاجت روائی، دنیا اور آخرت کی سب مرادیں کہہ کر تشریعی اور تکوینی امور اور معاملات جو مخلوق خدا کو دنیا و آخرت میں پیش آ سکتے ہیں سب مراد لے لیے افسوس کہ

خانصاحب اسی پر اکتفا فرما دیتے تو بھی ایک حد تک، مگر خانصاحب پر جب بزعم خود فنا فی الرسول اور فنا فی الاولیاء کا غلبہ ہوا تو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ۔

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر

(حدائق بخشش حصہ ۲ صفحہ ۱۹)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

(حدائق بخشش حصہ ۲ صفحہ ۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کن اور مکن کے تمام اختیارات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمام کن اور مکن کے اختیارات سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو حاصل ہو گئے ۔ جب تمام اختیارات حضرت شیخ صاحب کو حاصل ہو چکے ہیں تو پھر لیل ونہار کی کیا مجال ہے کہ حضرت موصوف سے اجازت لیے بغیر ان کی آمد ہو سکے ؟ چنانچہ خانصاحب نے ہی لکھا ہے کہ :-

"آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک کہ حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کر لے" ۔ (الامن والعلیٰ صفحہ ۸۸)

افسوس! صد افسوس!! کہ اگر یہ سلسلہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی پر ہی ختم ہو جاتا تو بھی ایک حد تھی، لیکن خانصاحب بریلوی کا ایک شیدائی یوں ارشاد فرماتا ہے ؎

مشکلیں میری آسان فرمائیے
میرے مشکل کشا شاہِ احمد رضا

ایسا ہے مرشد میرا احمد رضا
سب کا ہے مشکل کشا احمد رضا

کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا
جو دیا تم نے دیا احمد رضا

بات ہے ایمان کی حق کی قسم
آپ سے ایماں ملا احمد رضا

دل ملا آنکھیں ملیں ایماں ملا
جو ملا تم سے ملا احمد رضا

(مدائح اعلیٰ حضرت ص ۲۱، ۲۵، ۲۷، ۸، ۲۲)

اس کی تفصیل اسی کتاب میں اپنی جگہ پر آئے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کو بھی ایمان اور ہدایت نہ دے سکے مگر شاعر موصوف کے نزدیک خانصاحب میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ لوگوں کو ایمان بھی دے سکتے ہیں، اور آخری شعر میں تو شاعر نے حد ہی کر دی کہ دل، آنکھیں، ایمان غرضیکہ جو کچھ بھی ملا وہ احمد رضا خاں صاحب سے ہی ملا۔ حالانکہ اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَ اَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں سلب کر لے اور تمہارے دلوں

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِهٖ — پر مہر لگا دے تو وہ کون الٰہ ہے جو تمہیں یہ

(پ۷، انعام ع۵) — چیزیں واپس کر دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دل اور آنکھیں وغیرہ عطا کرنا صرف اللہ کا کام ہے اس میں اس کا کوئی بھی کسی نوع سے شریک نہیں لیکن شاعر موصوف کے نزدیک دل، آنکھیں اور جو کچھ بھی ملا ہے وہ سب احمد رضا خان صاحب کی طرف سے ملا ہے۔

حضرات! اگر یہ تمام اختیارات احمد رضا خانصاحب پر ہی ختم ہو جاتے تو بھی ایک حد ہوتی لیکن وہاں سے بھی الاٹ در الاٹ اور منتقل ہو کر اب یہ اختیارات پیر جماعت علی شاہ صاحب کو حاصل ہو چکے ہیں چنانچہ اُن کا ایک مخلص مرید لکھتا ہے۔

تجھے میں تو مشکل کشا ہی کہوں گا — مری تجھ سے مشکل کشائی ہوئی ہے

(رسالہ انوار الصوفیہ ص۹ بابت ماہ جون ۱۹۲۹ء)

پھر ایک دوسری جگہ کہنے والے نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

تم ہو مختار دو عالم دافع رنج و بلا — دین و دنیا میں تنہا ہے بادشاہی آپ کی

تم ہو حل المشکلات اور دافع رنج و بلا — ہے دو عالم میں تنہا خندہ کشائی آپ کی

(نقل از اشتہارات شائع کردہ ناظم انجمن حزب النعمان لاہور در مدح پیر جماعت علی شاہ صاحب)

شاعر موصوف نے دین اور دنیا کی تمام بادشاہی پیر صاحب کے لیے ثابت کی

ہے اور ان کو دونوں جہانوں (دنیا و آخرت) کا مختار کُل بنایا ہے جب پیر صاحب کا یہ درجہ ہوا تو آپ کی جگہ اور مسکن کا کیا درجہ ہوگا؟ سنیئے ؎

مدینہ بھی مطہر ہے مقدس ہے علی پور بھی
اِدھر جاؤ تو اچھا ہے اُدھر جاؤ تو اچھا ہے

(رسالہ انوار الصوفیہ صفحہ ۹ بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۰ء)

اس شعر میں شاعر نے پیر صاحب کے مسکن علی پور (ضلع سیالکوٹ) کو مدینہ مطہرہ کے برابر بتلایا ہے کہ جانے والوں کی مرضی علی پور جائیں یا مدینہ طیبہ دونوں کا مرتبہ ایک ہی ہے (العیاذ باللہ) یہاں ایک شبہ اور اشکال ہو سکتا تھا کہ پیر صاحب موصوف کو اختیارات تو خدائی حاصل ہیں لیکن ان کا مسکن صرف مدینہ طیبہ کے ہم پلہ ہی ہوا ہے تو شاعر نے اس کو بھی حل فرمادیا ہے لکھتے ہیں ؎

تیرا آستاں ہے وہ آستاں کہ حریفِ بیتِ حرام ہے
تری بارگاہ ہے وہ بارگاہ کہ جو قبلہ گاہِ انام ہے

اس شعر میں شاعر صاحب نے علی پور کو بیت الحرام (جو کہ باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا جلالی تخت گاہ ہے) کا حریف اور مدمقابل اور مخلوق کا قبلہ فرمایا ہے اور کیوں نہ ہو جب پیر صاحب کو خدائی اختیار حاصل ہیں تو علی پور کیوں نہ بیت الحرام ہو آخر وزیر کو وزیر کی اور بادشاہ کو بادشاہ کی کوٹھی اور محل ہی ملا کرتا ہے تو قصرِ خداوندی اس الاٹمنٹ سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ مشہور ہے کہ دنیا

گذشتنی و گذاشتنی ہے (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

پھر اس غالی فرقہ نے خدا اور رسول کو ایسا گڈ مڈ کر دیا ہے کہ امتیاز ہی جاتا رہا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

احد نے صورتِ احمد میں اپنا جلوہ دکھلایا
بھلا پھر کس طرح سے کوئی اس کا مرتبہ جانے

افسوس کہ اگر اسی پر اکتفا کی جاتی تو بھی ایک حد تھی، مگر سنئے کیا ارشاد ہوتا ہے۔ ؎

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
لینا ہے جو ہم نے وہ لے لیں گے محمدؐ سے

ایک اور شیدائی اٹھتا ہے اور وہ خدا اور رسول کو آپس میں ایک دوسرے کا رقیب ثابت کرتا ہے اور حج جیسی مستقل عبادت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے روضۂ مبارک کا وسیلہ اور بہانہ سمجھتا ہے ؎

طوافِ کعبہ مشتاق زیارت کا بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہیئے آخر رقیبوں کے منانے کا

دیکھا آپ نے کہ اس غالی فرقہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات کی کوئی اہمیت ہی نہیں اور اس قادرِ مطلق کا کس بے باکی سے مذاق اڑایا جا رہا ہے (العیاذ باللہ) ایک اور شوریدہ سر اٹھتا ہے اور

وہ یوں لب کشائی کرتا ہے ؎

خدا سے میں نہ مانگوں گا کبھی فردوسِ اعلیٰ کو
مجھے کافی ہے یہ تربت معین الدین چشتی کی

جنّت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر جنّت میں داخل نہیں ہو سکتی (بخاری و مسلم وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جنّت الفردوس کا سوال کیا کرو۔ کیونکہ وہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنّت ہے (بخاری وغیرہ) مگر یہ عاشق اللہ تعالیٰ سے کبھی بھی جنّت الفردوس مانگنے پر آمادہ نہیں ہے (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) یہ ہیں خدا اور اس کے رسول اور بزرگان دین سے اس فرقہ کے عشق اور عقیدت کے چند نمونے فوا اسفا۔

اس فرقہ نے اہلِ حق اور صحیح معنی میں اہل السنّت والجماعت کو بدنام کرنے کے لیے ہزاروں ایٹم بم اور میزائل اپنے سینے میں رکھے ہوئے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ بزرگوں اور ولیوں کی توہین کرتے ہیں کبھی یوں لب کشائی فرماتے ہیں کہ وہ پیغمبروں کے گستاخ ہیں، لہٰذا یہ لوگ بے ادب اور وہابی ہیں اور ع

بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا ان اشعار میں جناب باری تعالےٰ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ بیت الحرام اور مدینہ طیبہ کی توہین نہیں ہے؟ اگر کسی کو دونوں جہانوں کی بادشاہی مل بھی سکتی تو صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی ہوتی، آپ کی موجودگی میں (جب کہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حاضر و ناظر بھی ہیں) مختارِ دو عالم کا عہدہ اور دین و دنیا کی بادشاہی پیر جماعت علی شاہ صاحب کو کیسے مل گئی؟ کیا اس میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعینؒ و اتباعِ تابعینؒ و دیگر آئمہ کرامؒ اور صلحائے اُمت کی توہین نہیں؟ لیکن کیا کیا جائے ان کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہ لوگ شیش محل میں رہ کر دوسروں پر پتھراؤ کرتے ہیں۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

۲۔ بعض نے یہاں ایک الجھن پیدا کر دی ہے کہ حضرات انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ کو جو مختارِ کل کہا جاتا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو یہ اختیارات عطائی طور پر حاصل ہوئے ہیں مستقل اور ذاتی طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی مختارِ کل ہے اور عطائی طور پر کسی کو مختارِ کل کہنا شرک نہیں لیکن یہ بات اتنی لچر لوچ ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی اور بات ایسی بودی اور نکمی ہو گی، اس بات کی تردید میں قرآن کریم کی بے شمار آیات اپنے موقع پر انشاء اللہ العزیز مذکور ہوں گی

مقدمہ میں ان کی گنجائش نہیں ہے اور اس کی پوری تفصیل "گلدستۂ توحید" اور "راہِ ہدایت" میں بھی بیان کر دی گئی ہے۔ یہاں مضمون کی مناسبت سے صرف چند اشارات ہی کافی ہوں گے۔

ا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کا یہی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو جہان کے مخصوص خطوں میں تصرف کرنے کا اختیار دے دیا ہے چنانچہ مشرکین کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے کہ جب وہ کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ تلبیہ کہا کرتے تھے۔

لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ (مسلم ج ۱ ص ۳۷ ومشکوٰۃ ص ۲۲۴)

یعنی ہم حاضر ہیں تیرا (ذاتی اور مستقل طور پر) کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ شریک (جس کو تو نے اختیارات دے رکھے ہیں اور) تو اس کا مالک ہے اور وہ (ذاتی اور مستقل طور پر) کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔

ب۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ :-

ان اللہ ھو السید وھو المدبر لکنہ قد یخلع علی بعض عبیدہ

آقا تو خدا ہی ہے اور وہی مدبر بھی ہے لیکن وہ کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی

لباس الشرف والتألہ ویجعلہ منصرفاً فی بعض الامور الخاصۃ ویقبل شفاعتہ فی عبادہ بمنزلۃ ملك الملوك یبعث علیٰ کل قطر ویقلدہ تدبیر تلك المملکۃ فیما عدا الامور العظام
(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۶۱ طبع مصر)

اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں میں تصرّف کرنے کا اختیار دے دیتا ہے اور ان کی اپنے بندوں کے حق میں شفاعت قبول کرتا ہے جیسے شہنشاہ جو بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرر کرتا ہے اور ان خاص صوبوں کے کچھ اختیارات ان کے سپرد کر دیتا ہے۔

اور دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ جہان کا مدبّر تو خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اپنے بندوں کو

ویجعلہ مؤثراً متصرفاً فی قسط من العالم (بدور بازغہ ص ۱۲۳)

جہان کے مخصوص خطوں میں تصرّف کرنے کا اختیار دے دیتا ہے۔

اور پھر شاہ صاحبؒ نام لے کر فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہی عقیدہ تھا، بلکہ فرماتے ہیں کہ:۔

والغلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا۔
(بدور بازغہ ص ۱۲۴)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا نام لینے والے اعلیٰ درجہ کے منافقوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جیسا کہ اس زمانہ میں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ احبار اور رہبان اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ کو ذاتی اور مستقل طور پر یہ اختیارات حاصل تھے بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ عطائی اور غیر مستقل طور پر سارے جہاں کے بھی نہیں بلکہ امور عظام کے علاوہ چھوٹے چھوٹے امور میں ان کو تصرف کا اختیار تھا، مگر باوجود اس عقیدہ کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافر اور مشرک کہا ہے اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ جو فرقہ دنیا اور آخرت کے تمام اختیارات غیر اللہ کے لیے ثابت کرے کیا مسلمان رہے گا یا نہیں؟ عیسائیوں نے تو صرف تین الٰہ تسلیم کیے تھے اور وہ کافر ٹھہرائے گئے لیکن یہاں تو الٰہوں کی حد ہی نہیں۔ ہر نبی ہو امام، ہر پیر اور ولی، ہر قبر اور گنبد ان کے الٰہ ہیں۔ (العیاذ باللہ) اور ابھی تک معلوم نہیں کہ یہ جہد کہاں کہاں اور کس کس تک پہنچنے والا ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کفر کی رسموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"و در تصرف در کائنات جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع امراض و تسخیر ارواح و مانند آں بکار می آرند ایں خود شرک صریح است

اور جزئی حادثات کے تصرف میں مثلاً رزق کشادہ کرنا، اور اولاد دینا اور امراض کا دور کرنا اور ارواح کو مسخر کرنا اور ان کی مانند اور اشیاء میں ان رسوم پر عمل کرتے

ودریں مقام عذرے نیست" ہیں اور یہ کارروائی خود صریح شرک ہے اس

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین صاحبؒ ص۳) مقام میں کوئی عذر نہیں ہے۔

گویا شاہ صاحبؒ کے نزدیک جزوی تفرق بھی شرک صریح ہے اور اس میں کوئی شخص معذور نہیں ہو سکتا اور بریلوی حضرات کے نزدیک تو دنیا و آخرت کے تمام اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور پیر جماعت علی شاہ صاحب وغیرہ کو مل گئے ہیں اور یہ اُن کے نزدیک خالص ایمان ہے، اس کے خلاف کہنے اور لکھنے والا بے ادب، گستاخ اور وہابی ہے۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

ج۔ عیسائی بھی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ اور مختار کل تسلیم کرتے تھے تو صرف عطائی طور پر جیسا کہ اُوپر شاہ صاحبؒ کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے۔ اب ذرا "انجیل" کی عبارت بھی سُن لیجئے۔

"میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا۔"

(انجیل متی، باب ۱۱، آیت ۲۷)

"یسوع نے پاس آکر اُن سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔" (انجیل متی، باب ۲۸، آیت ۱۹)

"ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ اصلی انجیل دنیا سے بالکل ناپید ہے، بلکہ

پادریوں کو بھی اس کا اقرار ہے، لیکن موجودہ دُنیا کے عیسائیوں کا اسی محرف انجیل پر ایمان ہے جس کی دو آیتیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لیے عیسائی عطائی اختیار ہی تسلیم کرتے تھے اور اب بھی اُن کا یہی عقیدہ ہے، تو کیا عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے لیے عطائی اختیارات تسلیم کر کے مشرک ہونے سے بچ سکتے ہیں؟ اگر عیسائی نہیں بچ سکتے تو ان ہی جیسے بلکہ ان سے عام اور سنگین دعویٰ کرنے والے کیونکر مشرک ہونے سے بچ سکتے ہیں؟ لیکن کیا کیا جائے ؎

ضد ہے جنابِ شیخِ تقدس مآب میں

د۔ آپ روافض اور مفوضہ کا عقیدہ پڑھ چکے ہیں لیکن باوجود اس کے آئمہ اہلِ سنّت والجماعت ان فرقوں کو گمراہ اور باطل فرقوں میں شمار کرتے تھے۔ اس غلط عقیدہ کے رو سے ان حضرات کے نزدیک بھی ایمان ہونا چاہیئے تھا، شرک تو تب ہوتا کہ وہ ذاتی اور مستقل طور پر ان کے لیے اختیارات ثابت کرتے مگر آئمہ اہل السنّت والجماعت نہ صرف یہ کہ ان کو باطل فرقوں میں ہی شمار کرتے ہیں بلکہ ایسے لوگوں کی شہادت اور روایت سُننے کے بھی روادار نہیں ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ے۔ ممکن ہے کہ کوئی کوڑ مغز اور گمراہ کن یہ کہہ دے کہ جب اللہ تعالیٰ
کے علاوہ کسی کو نفع اور ضرر پہنچانے کی طاقت نہیں تو پھر حکیموں اور
ڈاکٹروں کے پاس تم کیوں بیماری کا علاج کرانے اور مشورہ لینے جاتے
ہو یہ بھی تو شرک ہوگا، اور بعض جاہلوں سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ شربت
فریاد رس اور گولیاں قبض کشا ہو سکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ولی فریاد رس اور
مشکل کشا نہیں ہو سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سلسلہ اسباب و مسببات
کے ماتحت شریعت حقہ کے دائرے میں رہتے ہوئے کوئی بھی تدبیر کرنی جائز
اور صحیح ہے لیکن مافوق الاسباب طریق سے نفع کی امید اور ضرر کے ازالہ کا
عقیدہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہے کسی دوسرے سے (اگرچہ وہ
نبی ہو یا ولی) ایسا اعتقاد رکھنا خالص شرک ہے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ اسباب و
مسببات کی بعض چیزوں میں نفع اور بعض میں نقصان کی خاصیت رکھی ہے
مثلاً روٹی میں یہ تاثیر رکھی گئی ہے کہ بھوکے کا پیٹ بھر دے گی، پانی میں
پیاس کو دور کرنے کا اثر رکھا گیا ہے اسی طرح ہوا، غذا اور لباس میں انسانی
بقا کا راز مضمر رکھا گیا ہے اور زہر کی مختلف قسموں مثلاً سم الفار، سکھیا اور
دار چکنا وغیرہ میں ضرر کا مادہ رکھا گیا ہے اسی طرح بندوق، توپ، بم، تلوار
وغیرہ میں یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ جن کو ان سے مارا جائے گا وہ مر
جائے گا۔ ان کی اصل تاثیر تو یہی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ ان اشیاء کے

اثر کو زائل فرمائے تو اس کو اس پر بھی قدرت حاصل ہے۔ اسی طرح عالم اسباب میں ڈاکٹروں اور حکیموں کی طرف رجوع کرنا عالمِ اسباب میں داخل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے۔

مَا انزل اللہ داءً الا انزل لہٗ شِفَاءً (رواہ البخاری ج ۲ صـ ۸۴۸، مشکوٰۃ ۳۸۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں نازل کی جس کے لیے اس نے کوئی دوا نہ پیدا کی ہو۔

اور ارشاد فرمایا ہے۔

یا عباد اللہ تداووا فان اللہ لم یضع داءً الا وضع لہٗ شفاء غیر داء واحد الھرم (رواہ احمد والترمذیؒ ابوداؤد، مشکوٰۃ صـ ۳۸۵ ورواہ الحاکم ج ۴ صـ ۱۹۷ قال الحاکم الذھبی صحیح)

اے اللہ تعالیٰ کے بندو، علاج کیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کے لیے شفا نہ پیدا کی ہو مگر ہاں بڑھاپے کی بیماری اس سے مستثنےٰ ہے۔

بلکہ اصولِ شرعیہ کے ماتحت تدبیر کرنا توکل کے خلاف بھی نہیں، چنانچہ قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السّلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو مصر میں داخل ہونے کی یہ تدبیر بتلائی کہ ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ یہ ان کی تدبیر تھی (تاکہ ان کے بیٹوں کو نظر نہ لگے یا لوگ حسد کا شکار نہ ہوں)

پھر ارشاد فرماتے ہیں :-

وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ (پ۱۳، یوسف ع۸)

اور میں تم کو اللہ تعالیٰ کی کسی گرفت سے نہیں بچا سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا ہوگا جو اللہ ارشاد فرماتے ہیں اور میرا بھی اسی پر توکل ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی اسی پر توکل کرنا چاہیئے۔

اگر تدبیر توکل کے خلاف ہوتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو یہ تدبیر نہ بتلاتے، صرف توکل کا ہی سبق پڑھا دیتے لیکن حضرت نے تدبیر اور تقدیر دونوں کا ذکر کر دیا کہ بیٹو ہمارا اور تمہارا کام صرف تدبیر کرنا ہے تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے جیسا وہ مناسب سمجھے گا کرے گا۔

حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ کر توکل کیا کروں ؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا :-

بل قیدھا وتوکل (مسند رک ج۳ ص۶۲۳ وقال الذہبی سندہ جید)

بلکہ اس کو باندھ لے پھر توکل کر۔

یعنے ع   بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

۸- مافوق الاسباب سے مراد یہ ہے کہ عالم اسباب کی چیزوں سے قطع نظر کر کے اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا

مثلاً اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو زہر دے کر قتل کر دیا یا تلوار اور بندوق سے اس کا کام تمام کر دیا، یا دریا میں ڈبو دیا یا آگ میں جھونک دیا اور وہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ عالم اسباب کے ماتحت ہوا، اسی طرح بھوکے کو کھانا یا پیاسے کو پانی یا بیمار کو دوائی دے دی اور اس کی بظاہر مایوس کن حالت سنور گئی تو یہی کہا جائے گا کہ یہ سلسلہ اسباب و مسببات کے مطابق ہوا۔ لیکن اگر ان تمام چیزوں کی عدم موجودگی میں جب کہ بظاہر کوئی سبب نظر نہ آتا ہو اور ہم دیکھیں کہ کسی کو نفع یا نقصان ہو رہا ہے یا ہم اپنی تدبیر کے موافق نافع اور سود مند چیزیں ہی استعمال اور اختیار کرتے ہیں، لیکن وہ تمام ہمارے خلاف پڑتی ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں ایک ایسی زبردست قدرت کا ہاتھ ہے جس کے سامنے کسی کا بس اور چارہ نہیں اور یہ معاملہ مافوق الاسباب کا ہوگا۔ خوب سمجھ لو، اور مافوق الاسباب تصرفات کی تحقیق کے لیے راہ ہدایت ملاحظہ کیجئے۔

تکوینی امور سے مراد زمین اور آسمان، انسان اور حیوان، چرند اور پرند اور مختلف کیڑے مکوڑے، بیماری و تندرستی، فقر و غنا، اولاد دینا یا سلب کرنا، گدا سے بادشاہ بنانا یا بادشاہ کو گدا کرنا، بچے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بنانا، رزق دینا یا نہ دینا، مینہ برسانا یا روک لینا وغیرہ امور کو پیدا کرنا اور ظاہر کرنا ہے۔

اور تشریعی امور سے مراد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرنا، سچ کہنا، جھوٹ سے بچنا، زنا اور چغلی سے اجتناب کرنا۔ گالیوں اور فحش گوئی سے گریز کرنا، صدقہ و

خیرات کرنا، ماں باپ، بہن بھائی، بیوی خاوند، استاد اور شاگرد کے حقوق کو ادا کرنا، توحید پر قائم رہنا، شرک سے بچنا، غرضیکہ شریعت حقہ نے جن اوامر ونواہی کے بجا لانے یا پرہیز کرنے کا مطالبہ مخلوق سے کیا ہے خواہ وہ امورِ دُنیا میں مفید ہوں یا آخرت میں، اُن امور کو امورِ تشریعی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاءِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان ہی اُمور کی تشریح اور تفصیل کے لیے عملی نمونہ بنا کر بھیجا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اُن کے نقشِ قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرلیں اور اسکی ناراضگی سے بچ سکیں۔

۹۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کے بعض فرقے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں سے بغض اور عداوت کرنے کی وجہ سے متاعِ ایمانی سے محروم ہوئے جیسے یہودیے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عداوت کی اور دوسرے کافر اور مشرک فرقوں نے اپنے وقت اور زمانہ کے پیغمبروں سے عناد کرکے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لی، مگر اس میں بھی کسی شُبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ بیشتر قومیں اور فرقے ایسے بھی دُنیا میں پیدا ہوئے اور آج بھی بکثرت موجود ہیں جنہوں نے غلط اور باطل محبت کی آڑ لے کر اپنے رسولوں اور بزرگوں کو الوہیت کا درجہ دے دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس دوسری شق سے زیادہ خطرہ تھا، اس لیے آپ نے کبھی تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا

اور یہ ارشاد اپنی امت کو آگاہ اور خبردار کرنے کے لیے فرمایا (بخاری ج۱ ص۶۲ مسلم ج۱ ص۲۰۱) اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! میری قبر کو وثن (پرستش کی جگہ) نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا، اس قوم پر جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا (مشکوٰۃ ج۱ ص۷۲ وقال رواہ مالک مرسلاً) اور کبھی امت کو یہ خطاب فرمایا کہ مجھے تم میرے رتبہ اور میرے مرتبہ سے اوپر نہ بڑھانا جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اوپر بڑھایا، میں تو خدا کا بندہ (اور اس کا رسول) ہوں سو تم بھی مجھے خدا کا بندہ اور رسول ہی کہو (اوکما قال رواہ البخاری ج۱ ص۴۹۰ وطیالسی ص۶ وشمائل ترمذی ص۲۳) اور ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الناس لاترفعونی فوق قدری فان اللہ اتخذنی عبداً قبل ان یتخذنی نبیاً ذکرتہ لسعید بن المسیب فقال وبعد ما اتخذہ نبیاً (مستدرک ج۳ ص۱۷۹ قال الحاکم والذہبی صحیح)	اے لوگو تم مجھے میرے مرتبہ سے اوپر نہ بڑھانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مجھے بندہ بنایا ہے اور اس کے بعد نبی بنایا حضرت سعید بن المسیب تابعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی بنانے کے بعد بھی آپ کو بندہ ہی رکھا ہے (الٰہ اور مختار کل نہیں بنایا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود اور نصاریٰ کے عمل سے یہ خطرہ تھا کہ میری امت بھی کہیں مجھے نبوت اور رسالت کے رتبہ

سے بڑھا کر الوہیت تک نہ پہنچا دے اسی لیے آپ نے اپنے متعلق بار بار تاکیدی فرمان صادر فرمائے اور زیادہ خطرہ چونکہ درجہ سے بڑھانے کا تھا اسی لیے اس پر زیادہ زور دیا، اور آپ کا یہ خطرہ بالکل صحیح نکلا اور کیوں صحیح نہ ہوتا جب کہ آپ وحی الٰہی کے مطابق ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے اور اگر نظریہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا نظریہ بھی آخر کچھ وقعت رکھتا ہے؟ آپ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ (میرے برائے نام امتی) پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو گے حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلے لوگوں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اور کون مراد ہے؟ (بخاری ج۲ ص۱۰۸۸ و مسلم ج۲ و مشکوٰۃ ج۲ ص۴۵۸)

۱۰۔ عوام الناس کے گمراہ ہونے یا کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے دعا کراتے ہیں تو ان کی مرادیں بسا اوقات پوری ہو جاتی ہیں، تو لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے یہ کام کیا یا کرایا ہے لیکن اس میں چند باتیں سوچنے کی ہیں۔

ا۔ دعا کا یہ معنی ہے کہ کوئی بندۂ خدا، خدا تعالیٰ سے درخواست اور التجا کرے کہ یا اللہ فلاں آدمی کا فلاں کام تو اپنے فضل و کرم سے کر دے، بندہ کا دخل اس میں صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے پروردگار سے دعا اور التجا کی ہے نہ یہ کہ خود اس کام کے کرنے میں کسی نوع کا کوئی دخل ہے۔

ب۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی ہر دعا کو قبول فرمائے یا وہ قبول فرمانے پر مجبور ہو (العیاذ باللہ) قرآن کریم سے بڑھ کر اور کوئی قطعی اور یقینی دلیل نہیں ہو سکتی اور حضرات انبیاء عظام علیہم السلام کی ذات اور ان کی مقدس ہستیوں سے بڑھ کر کسی کی ذات مقبولِ خدا نہیں ہو سکتی قرآن کریم میں اس کا بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے واسطے طوفان سے نجات کے لیے دربارِ خداوندی میں دُعا مانگی لیکن اللہ تعالےٰ نے قبول نہ فرمائی (سورۃ ہود) حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے دُعا مانگی اور عرصہ دراز تک وہ قبول نہ ہوئی پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت بواسطہ فرشتہ سنائی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی اہلیہ محترمہ کے بانجھ پن اور اپنے بڑھاپے کی شکایت کی اور اس حالت میں اولاد ملنے پر تعجب کیا (سورۃ آل عمران وغیرھا) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کی نجات کے لیے دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی اور آئندہ کے لیے دعا سے منع کر دیا (سورۃ توبہ) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی مغفرت کے لیے دعا مانگی اور نماز جنازہ پڑھائی، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ ستر مرتبہ بھی اس کے لیے یا اس جیسے دوسرے منافقوں کے لیے دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ہرگز اُن کو نہیں بخشے گا (سورۃ توبہ) اِس کی پوری تشریح اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ العزیز!

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ میری امت آپس میں قتل اور مقاتلہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول نہ فرمائی (مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ مشکوٰۃ ص ۵۱۲ وترمذی ج ۲ ص ۴۰ وقال حسن صحیح وموارد الظمآن ص ۴۵۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دعا، اگرچہ نبی ہی کیوں نہ ہو قبول کرنے پر مجبور نہیں جس طرح وہ مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے اُن کی حکمتیں اور مصلحتیں دوسروں کو کیا معلوم ہیں۔

ج - اگر وہ چاہتے تو ابلیس لعین کی بھی کوئی دُعا قبول فرما لے تو اس کو کون پُوچھ سکتا ہے شیطان نے ایک ہی دفعہ یہ کہا تھا اے اللہ! مجھے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دے دے ارشاد ہوا کہ جا تجھے قیامت تک کی مہلت مل گئی (قرآن کریم) خیر شیطان تو پھر بھی ذوی العقول اور مکلّف مخلوق کا ایک فرد تھا اور عوام کے نزدیک چودہ علوم بھی اس کے سینہ میں محفوظ تھے لیکن ہمیں تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو چیونٹی کی دُعا بھی قبول فرما لے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے ایک نبی اپنے ساتھیوں کو لے کر صلوٰۃ استسقاء (بارش کے لیے نماز پڑھنے) کے لیے نکلے راستہ میں دیکھا کہ ایک چیونٹی آسمان کی طرف پاؤں کھڑے کر کے دعا کر رہی ہے اللہ کے نبی نے فرمایا واپس چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی کی دعا قبول فرما لی ہے (مستدرک ج ۱ ص ۳۲۵

و دارقطنی ج۱ ص۱۸۶ قال الحاکم والذھبی صحیح) اور مسند احمد ج۵ ص اور طحاوی ج۲ ص وغیرہ میں روایت ہے کہ وہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔

(بحوالہ تعلیق المغنی ج۱ ص۱۸۶ والسراج المنیر ج۲ ص۲۴۵ للعزیزیؒ)

د۔ دُعا کے لیے یہی ضروری اور لازم نہیں کہ اپنے سے اعلیٰ اور افضل انسان سے ہی کرائی جائے بلکہ اپنے سے ادنیٰ اور مفضول انسان سے بھی دعا کرائی جاسکتی ہے صحیح مسلم میں حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ اویس قرنیؒ سے اپنے لیے دعا کرانا۔ (مسلم ج۲ ص۳۱۱) حالانکہ حضرت عمرؓ صحابی تھے اور اویس قرنیؒ تابعی تھے اور حضرت عمرؓ کا حضرات صحابہ کرامؓ میں جو درجہ تھا وہ بھی مخفی نہیں حضرت عمرؓ ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

اشرکنا یا اُخَیّ فی دعائِکَ ولا تنسنا (ابو داؤد ج۱ ص۲۱۰ و ترمذی ج۲ ص۱۹۵ مسند طیالسی ص۲ وابن سنی ص۱۲۴)

اے میرے چھوٹے بھائی ہمیں اپنی دعا میں یاد رکھنا اور بھول نہ جانا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے باایں عزّ وشان حضرت عمرؓ سے دُعا کے لئے استدعا فرمائی اور اپنے

کو بڑا بھائی اور حضرت عمرؓ کو چھوٹا بھائی ارشاد فرمایا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

لطیفہ

جو لوگ حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کو بڑے بھائی کے لفظ پر کوستے ہیں ہم مشکور ہوں گے کہ ان محدثین کرامؒ پر بھی برسیں کہ انھوں نے ایسی روایت کو اپنی کتابوں میں کیوں جگہ دی ہے اور کیوں معاذ اللہ توہین کا ارتکاب کیا ہے۔

ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اپنے سے ادنیٰ رتبے کے آدمی سے بھی دعا کرائی جا سکتی ہے، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ قبر پرستوں نے (جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم صرف دعا کرانے جاتے ہیں) کبھی اپنے سے ادنیٰ اور گنہگار انسان کی قبر پر بھی دعا کا مطالبہ کیا ہے؟ یا ایسی قبر پر بھی گنبد بنوایا ہے؟ یا چڑھاوے دیئے ہیں؟ یا پھولوں کا انبار لگایا ہے؟ یا ایسی قبر پر دُور دراز کی مسافت طے کر کے گئے ہیں؟ آخر اعلیٰ اور افضل بزرگوں کی قبروں کی تلاش کیوں ہے؟ اور صاحبِ کرامت بزرگوں کی قبروں پر حاضر ہونا ہی کیوں شرط ہے؟ ہمیں تو دال میں کالا کالا ضرور نظر آتا ہے ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

۵۔ میرے اس مضمون سے کوئی صاحب غلط فائدہ نہ اُٹھائیں کہ خدا کے نیک بندوں کی کوئی دُعا قبول نہیں ہوتی یا نیکوں اور بدوں کی دعاء کا ایک سا اثر ہوتا ہے۔ حاشا وکلّا میرا یہ مدّعا ہرگز نہیں مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ صالح اور نیک بندوں کی دُعائیں ہمیشہ قبول ہوتی رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاء کو قبول کرنے پر مجبور ہو (العیاذ باللہ) وہ نیکوں کی دعاء کو بھی قبول فرماتا ہے اور نسبتاً دوسرے لوگوں کی دعاؤں سے زیادہ لیکن وہ مجبور نہیں اور وہ بدکاروں کی دعائیں بھی قبول فرماتا ہے لیکن اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا، لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔

۶۔ اگر کوئی زندہ بزرگ ہو تو اس کے پاس حاضر ہو کر دعا کرانا درست ہے لیکن کسی غائب بزرگ سے طلبِ دعا اس بات پر مبنی ہے، کہ اس کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھا گیا ہے اور فقہاء کرامؒ نے اس کو کفر لکھا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ بزازیہ جؔ ۶ طؔ ۳۱۶ وغیرہ میں ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کے ارواح حاضر ہیں اور وہ جانتے ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔ مُردہ اور صاحبِ قبر سے دُعا کرانے کے بارے میں خاصا اختلاف ہے، حافظ ابن تیمیہؒ تو لکھتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ زندہ بزرگ سے دعا کرانا ثابت ہے، لیکن

مردہ سے اگرچہ وہ نبی اور ولی کیوں نہ ہو دعا مانگنے کا ثبوت، شریعتِ محمدیہ میں قطعاً نہیں نہ تو حضراتِ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے اس کا ثبوت ہے اور نہ اتباع تابعینؒ اور آئمہ دینؒ سے اور نہ ہی اس کے ثبوت میں کوئی صحیح حدیث ہی موجود ہے (رسالہ القبور ص ۱۰۸) مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جاکر کہے، اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں، اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے الخ (فتاوٰی رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ طبع جید برقی پریس دہلی) اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے بھی اپنے فتاوٰی ج ۲ (فارسی ص ۱۰۶ و مترجم اردو ج ۲ ص ۲۳) میں ایسا ہی لکھا ہے لیکن دعا کرانے کی وجہ سے آپ کو مختارِ کل ثابت کرنا بعید تر بات ہے یہاں تو یہ لکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ میری مراد پوری کرے نہ یہ کہ معاذ اللہ آپ مشکل کشا حاجت روا اور فریاد رس ہیں کہ لوگوں کی مُرادیں پوری کرتے ہیں، مُرادیں پُوری کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور بس، اس میں کسی اور کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۱۔ میرا استدلال صرف قرآنِ کریم کی آیات سے ہی ہوگا، احادیث اور بزرگانِ دین کی عبارات محض تائید و تشریح کے لیے ہی پیش کی جائیں گی، الا ما شآء اللہ اور احادیث میں بھی اس امر کا التزام کیا گیا ہے کہ صحیح بخاری، مسلم اور صحاح ستہ و دیگر مستند کتابوں سے اخذ ہوں گی۔ بخاری اور مسلم کی صحت پر تو تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ ان کے علاوہ جس کتاب سے میں نے حدیث پیش کی ہے، اکثر اس کی تصحیح محدثین کرام سے بھی ساتھ ہی نقل کر دی ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے تو اسماء الرجال اور ان کی توثیق بھی کر دی ہے ممکن ہے کہ کوئی صاحب اس کتاب کا جواب لکھنے پر کمر ہمت باندھے، لیکن ان کو مذکورہ بالا اصول اور قاعدہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں قطعی الدلالۃ دلیل ہی حجت ہو سکتی ہے۔ ضعیف اور مجمل حدیثیں یا کسی بزرگ کا غلبۂ سُکر کا کوئی فرمودہ حکم یہاں قبول نہیں ہو سکتا۔ اگر اس میں تاویل کی گنجائش ہوئی تو تاویل کر دی جائے، ورنہ اس کو رد کر دیا جائے گا، نہ یہ کہ اس پر عقیدہ کی دیوار قائم کی جا سکتی ہے۔ بعض اہم امور کا ذکر اسی کتاب میں کسی دوسرے اور مناسب مقام پر کر دیا جائے گا۔

(انشآء اللہ العزیز)

حضرات! سلسلۂ کلام بڑھ رہا ہے مگر کیا کروں، مقدمہ میں ان

چیزوں کی زیادہ ضرورت تھی، اگرچہ بعض چیزیں ابھی تک باقی ہیں کیونکہ ؎

راہرواں را خستگیٔ راہ نیست
عشق ہم راہ ہست و ہم خود منزل است

احقر الناس

ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ
وصدر
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بابِ اوّل

اس باب میں ہم قرآنِ کریم کی بعض ایسی آیات بیان کرنا چاہتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نافع اور ضار اور مختارِ کُل نہیں اور ان آیات کی تشریح میں بعض صحیح احادیث اور بزرگانِ دینؒ کے بعض اقوال بھی نقل کر دیں گے تاکہ بات واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اے انسان! اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی دُور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ کوئی انعام و احسان کرنا چاہے تو اس کو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ الحاصل جسمانی، روحانی، ظاہری، باطنی، جانی یا مالی، انفسی یا آفاقی جو بھی تکلیف یا مصیبت انسانوں اور دیگر مخلوق پر وارد ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی دور نہیں کر سکتا اور اسی طرح اگر کوئی نعمت یا فراخی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدّر ہو، تو اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔
(پ۷، انعام، رکوع ۲)

اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور اگر وہ تجھ کو کچھ نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوب واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ تو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر یہ سب اشیا محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں، چونکہ مشرکین عموماً اس خیال سے کہ فلاں سے مجھے ضرر پہنچے گا یا نفع، اس کو اس عقیدہ کے مطابق پکارا کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالےٰ نے اس کی بھی صاف ممانعت اور تردید کر دی ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ
(پ۱۱، یونس، ۱۱ع)

اور تو مت پکار اللہ تعالیٰ کے ورے ان کو جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر اگر تو نے ایسا کیا تو بیشک تیرا شمار ایسا کرنے پر ظالموں میں ہو گا اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو ضرر پہنچائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی دور نہیں کر سکتا، اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر احسان کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی بھی رد نہیں کر سکتا۔

اس مضمون میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات نہایت وضاحت سے بیان فرما دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولیے اور اس کے سوا کسی کو پکارنا صحیح نہیں، اور اگر کسی نے غیر اللہ کو اس خیال سے پکارا کہ وہ میری تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا مجھے کچھ دے سکتے ہیں تو ایسا شخص ظالم ہوگا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کا حق غیر کو دیا اور اس کی صفت غیر میں تسلیم کی ہے۔

مسند احمد (بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۳) ترمذی ج ۲ ص ۷۷ اور ابن سنی ص ۱۳۶ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سوار تھا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیارے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پابندی کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری محافظت کرے گا، جب بھی سوال کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے کرو، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لئے دکھ مقدر ہے تو تمام کائنات بھی جمع ہو کر اس کو نہیں ٹال سکتی اور اگر تیرے لیے آرام مقدر ہے تو تمام کائنات اس کو روک نہیں سکتی قلم تقدیر جو کچھ لکھ چکا وہی ہوگا، اور تقدیر کے رجسٹر بھی خشک ہو چکے ہیں۔ انتہی امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح

اس صحیح حدیث سے بھی آفتاب نیم روز کی طرح یہ ثابت ہوا کہ نافع اور ضار اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی بھی نہیں، وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے اور کائنات کا اس میں کچھ دخل اور بس نہیں عام اس سے کہ وہ

انسان ہوں یا فرشتے جن ہوں یا کوئی اور مخلوق۔

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ (المتوفی ۵۶۱ھ) اس حدیث کو نقل کر کے (فتوح الغیب ص۲۲ میں) لکھتے ہیں "ہر مومن کو چاہیئے کہ اس حدیث کو اپنے ظاہر اور باطن اور کردار کا آئینہ بنائے"

اور حضرت ملا علی القاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی سے (ما فوق الاسباب طور پر) سوال نہ کیا جائے کیونکہ غیر نہ تو دینے پر قادر ہے اور نہ منع کرنے پر اور نہ دفع ضرر پر اور نہ جلب نفع پر، کیونکہ وہ تو اپنی جان کے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں اور نہ موت اور حیات اور دوبارہ کی زندگی اُن کے اختیار میں ہے (مرقات علی المشکوٰۃ ج۲ ص۴۵۳)

چونکہ یہ حدیث غیر صحیحین کی ہے (اس لیے اصولِ حدیث کے لحاظ سے ہمارا یہ فرض ہے کہ اس کے رواۃ کی توثیق کتب اسماء الرجال سے ذکر کردیں تاکہ حدیث کی صحت بے غبار ہو جائے یہ حدیث مختلف اسانید سے مروی ہے ابن سنی کی سند اور اس کے رواۃ یہ ہیں۔

۱۔ ابو خلیفہ جمحیؒ جن کا نام فضلؒ بن حبابؒ تھا، علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الثقہ، محدث بصرہ کثیر الحدیث اور معرفت حدیث کا کامل اور ماہر امام لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۲۱۸)

۲۔ ابو الولید طیالسیؒ جن کا نام ہشامؒ بن عبد الملکؒ تھا۔ صحیحین کے مرکزی

روایت ہیں تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ انہیں الحافظ الامام اور الحجۃ لکھتے ہیں۔ محدث عجلیؒ انہیں ثقہ اور ثبت امام ابو حاتمؒ ان کو امام فقیہہ عاقل اور ثقہ اور امام ابنِ قانعؒ ثقہ مامون اور ثبت اور علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ ثبت اور حجت کہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۵ و ۴۶ ملتقطا)

۳۔ لیثؒ بن سعدؒ ثقہ، ثبت، فقیہہ اور مشہور امام تھے (تقریب ص ۳۱۱)

۴۔ قیسؒ بن حجاجؒ ان میں کسی کا کلام منقول نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق اور امام ابو حاتمؒ اور ابن یونسؒ ان کو صالح کہتے ہوئے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۸ و تقریب ص ۳۰۷)

۵۔ حنشؒ صنعانیؒ امام ابو زرعہؒ۔ عجلیؒ۔ یعقوبؒ بن سفیانؒ اور ابنِ حبانؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں ان پر بھی جرحؒ کا کوئی حرف منقول نہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۵۸)

۶۔ حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ جلیل القدر صحابی ہیں۔ الغرض اس روایت کا ایک ایک راوی اپنی جگہ فنِ روایت کا امام ہے۔

قرآن کریم میں اس بات کو صاف اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ بے کس اور بے بس مجبور اور لاچار کی آہ و پکار اور فریاد کو سننے والی ذات اور اس کی تکلیف کو رفع کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ

ہی کی سنتی ہے اور بس۔ ارشاد الہٰی ملاحظہ ہو۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ...	آیا کون ہے وہ ذات جو بے کس اور بے بس کی آہ و پکار کو سنتی ہے اور اس کی تکلیف کو
...ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ (پ۲۰ نمل ع۵)	دور کرتی ہے... کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے کس کی پکار کو سننا اور پھر اس کی تکلیف کو دور کرنا صرف اِلٰہ کا کام ہے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور سے یہ حسنِ ظنی رکھتے ہیں کہ وہ بھی تکلیف دور کر سکتے ہیں تو وہ اُن کو الٰہ مانتے ہیں اور یہی وہ بات ہے، جس کی نفی روزِ اوّل سے مسلمان یوں کرتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی الٰہ نہیں۔ نیز اس آیت کریمہ سے بصراحت یہ بھی معلوم ہوا کہ الٰہ کا معنی فریاد رس، حاجت روا اور مشکل کشا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کوئی فریاد رس اور حاجت روا ہے اور نہ مشکل کشا ہے۔ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ؟ توبہ۔ توبہ۔ ہرگز نہیں مگر آہ پھر،

خرد نے کہہ بھی دیا لَآ اِلٰہَ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

بابِ دوم

اس باب میں ہم قرآن کریم کی وہ آیات بیان کریں گے جن سے بالخصوص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق اس عقیدہ کی تردید ثابت ہوتی ہے کہ آپ مختار کل تھے اور جب یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گی کہ آپ بھی مختار کل نہ تھے تو دیگراں راچہ رسد، کیونکہ جب سیدِ ولدِ آدمؑ اور افضل الرسل اور اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوقات سے اعلیٰ و افضل یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مختار کل نہ ہوئے تو اور کون ہو سکتا ہے؟ یہی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہی تمام حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہور سلف و خلفؒ کا اسلامی عقیدہ ہے۔

ا۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ وغیرہ میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت صفوانؓ بن امیہ، حضرت سہیلؓ بن عمرو اور حضرت حارثؓ بن ہشام کے لیے (جب کہ یہ تینوں حضرات کافر اور مشرک تھے، اور آپ کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے

تھے) بد دعا مانگی، چونکہ یہ حضرات خدا تعالیٰ کے علم میں مسلمان ہونے والے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان کے لیے بد دعا مانگیں۔ آیت ملاحظہ ہو:۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ	آپ کو کوئی دخل نہیں، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ
عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ	ان پر یا تو متوجہ ہو جائے یا ان کو سزا دے کیونکہ
ظٰلِمُوْنَ (پ ۴، آل عمران ع ۱۳)	وہ ظلم کر رہے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختارِ کل بنا دیا گیا تھا تو آپ کو ان کے لیے بد دعا سے کیوں روکا اور منع کیا گیا؟ اور کیوں یہ فرمایا کہ آپ کو کوئی دخل نہیں؟

۲۔ مشرکین نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمائشی اور من مانے معجزات صادر کرنے کا مطالبہ کیا تو چونکہ آپ کے دل میں شفقت اور رحمت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی، اس لیے آپ نے بارہا اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان معجزات کو میرے ہاتھ پر صادر کر دے تو اس سے کیا چیز بعید ہے اور مشرکین بھی تو شاید کہ ان مطلوبہ معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی صداقت پر اور بے شمار معجزات ظاہر کر دیئے تھے، کئی ایک مصلحتیں اور حکمتیں اس کی متقاضی تھیں کہ مشرکین کے ایسے فرمائشی معجزات پورے نہ کئے جائیں،

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل مبارک میں ان کے ظاہر ہونے کا خیال کبھی کبھار پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بطور تنبیہ کئی ایک آیات نازل فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے :-

وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُهُمْ	اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو
فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا	اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی
فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ	سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ
فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ (پ انعام ع)	کر پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو۔

یہ آیت بھی اس بات پر شاہد عدل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل نہ تھے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وعظ اور نصیحت کے یہ تنبیہ نازل نہ ہوتی اور آپ از خود ہی کفار کا یہ مطالبہ پورا کر دیتے۔

۳۔ تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۳ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۱ و تاریخ بغدادی ج ۱ ص ۱۵۱ و ابن کثیر ج ۳ ص ۳۱۵ اور روح المعانی ج ۷ ص ۱۳۷ وغیرہ میں مسند احمد اور طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت صہیب، حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت خباب جیسے دولت ایمان سے مالا مال لیکن دولت دنیا سے تہی دست حضرات بیٹھے ہوئے تھے کہ مشرکین کے چند ایک سردار آئے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے باہر نکال دیں تو ہم

تو ہم آپ کی تقریر یا درو عظ سن لیں گے۔ آپ کے دل میں یہ خیال ہی پیدا ہوا تھا کہ اگر یہ لوگ تبلیغ سن لیں اور دیں اپنے رفقاء کو اس مصلحت کے لیے مجلس سے کنارہ کر دوں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کو غربا سے جو محبت ہے، جو عموماً سرمایہ داروں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی، کہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں بلکہ آخر یہی فرمایا کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کو السلام علیکم کہیں، قرآن کریم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (پ ، انعام ع)	اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ سے متعلق نہیں اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر کچھ ہے ورنہ آپ نامناسب کام کرنیوالوں میں سے ہو جائیں گے۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل نہ تھے، ورنہ یہ تنبیہ نازل نہ ہوتی۔

۴۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب توحید و رسالت کے مضامین مشرکین عرب کے سامنے بیان فرمائے تو مشرکین نے ان کو انوکھی بات سمجھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ

کے رسول ہیں اور ہم آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو آپ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر یا کوئی دوسرا) عذاب کیوں نہیں اتار دیتے؟ مشرکین کے اس متعصبانہ سوال کا جواب، قرآنِ کریم میں مختلف الفاظ سے متعدد مقامات، میں مذکور ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ ۚ مَا عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۝ قُل لَّوْ أَنَّ عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ

(پ۷، انعام ع۷)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے جس چیز کا تم تقاضا کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے، واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کرتے ہو تو میرا اور تمہارا معاملہ (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا

الحاصل قرآنِ کریم میں مشرکین کے اس مطالبہ کا جواب کئی اسالیب سے دیا گیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۔

(پ۷، انعام، رکوع ۱۱)

آپ کہہ دیجئے کہ نشان تو سب خدا تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں۔

اِن آیات سے ثابت ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند تھے نشانات اور فیصلوں کا صادر اور ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے نبی کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہوتا۔

۵۔ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۳۷ اور مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو وغیرہ سے مروی ہے جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں کہ جنگِ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لشکر نے ستر کافر تہ تیغ کئے اور ستر کو گرفتار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے گرفتار قیدیوں کے متعلق حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا، حضرت عمرؓ کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرامؓ نے ان سے جرمانہ وصول کر کے چھوڑ دینے کی رائے دی، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ	نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے
اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ	قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین پر
تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ	خون نہ بہادیں تم دُنیا کا مال واسباب
يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ	چاہتے ہو، اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے
حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ	ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ	نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے،

عَذَابٌ عَظِيمٌ (پ ۱۰ انفال ع ۹) اس کے بارہ میں تم پر کوئی سزا واقع ہوتی
مستدرک ج ۲ ص ۳۲۹ میں صحیح حدیث مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے
بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا قریب تھا کہ
تیری مخالفت کی وجہ سے ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی۔ اس آیت سے یہ بھی
معلوم ہوا کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختارِ کُل ہوتے، تو
آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نہ ہوتی۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب غزوۂ تبوک کے سفر کی تیاری
کی تو چند ایک منافقین نے باوجودیکہ وہ معذور نہ تھے جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹی باتیں کہہ کر اپنے کو معذور کیا اور آپ کے ساتھ
شریکِ جہاد نہ ہوئے۔ آپ نے ان کو سچا تصور فرما کر ازراہِ شفقت ان کو گھروں
میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (پ ۱۰، توبہ ع ۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے، اور جھوٹوں کو آپ معلوم نہ کر لیتے۔

اگر آپ مختارِ کُل ہوتے تو جو آپ نے کیا تھا، اس پر آپ کو تنبیہ نہ ہوتی کیونکہ
آپ نے جو کچھ کیا تھا حاصل شدہ اختیار سے ہی کیا تھا۔

۷۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۹۱ اور ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ وغیرہ میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جنازے پر تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو بہت روکا، لیکن آپ تشریف لے گئے اور جنازہ پڑھا ہی دیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ (پ۱۰، توبہ ع۱۱)

اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پہ کھڑے ہو جیے۔

بلکہ یہاں تک ارشاد ہوا کہ:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (پ۱۰، توبہ ع۱۰)

آپ خواہ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں اگر آپ اُن کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

یہ آیات بھی اس مدعیٰ پر بالکل صراحت سے دال ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختارِ کُل نہ تھے بلکہ ہر حکم میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے پابند تھے خود اس منافق کو جنت دے دینا تو درکنار رہا مغفرت کی دعا سے بھی منع کر دیا۔

۸۔ منافقینِ مدینہ نے مسلمانوں میں تفریق ڈالنے اور اسلام کے خلاف پلیٹ دائیں

کرنے کے لیے ڈیڑھ اینٹ کی ایک مسجد تعمیر کی اور بحبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی کہ آپ وہاں نماز کا افتتاح کریں آپ نے حسنِ ظنی کی وجہ سے وعدہ فرمایا، آپ کو ان منافقین کی ناپاک سازشوں کا علم نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمایا اور اس مضمون کو کئی آیات میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا (پ ۱۱ توبہ ع ۱۳) آپ اس میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔

چنانچہ آپ نے بعض حضرات صحابہؓ کو بھیجا تاکہ اس مسجد ضرار کو جلا کر خاکِ سیاہ کر دیں اس مضمون سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو احکام نازل ہوتے تھے، آپ ان کی پابندی کرتے تھے۔

۹۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۵ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰ اور مستدرک ج ۲ ص ۳۳۵ (قال الحاکم والذہبی صحیح) وغیرہ میں مروی ہے کہ جب ابو طالب کی وفات ہونے لگی، تو آپ نے اس کے سامنے کلمۂ توحید پیش کیا، مگر اس نے انکار کیا، آپ نے فرمایا میں تیرے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا گیا، اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ

قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۔ (پ ۱۱، توبہ، ع ۱۴)

رشتہ دار ہی ہوں، اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

آپ اسی آیت سے اندازہ کریں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی غیر کے لیے نہیں بلکہ اپنے حقیقی اور نسبی چچا کے لیے دعا کی جس نے آپ سے بچپن سے لے کر پچاس سال تک نہایت غمخواری اور ہمدردی کی تھی مگر قانون خداوندی مشرک کے لئے دعا کو جائز نہیں سمجھتا، اس لئے دعائے مغفرت سے بھی آپ کو روکا گیا۔

اس آیت سے بھی یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل نہ تھے، اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام میں ارشاد فرماتا ہے:۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ۚ (پ ۲۳، زمر، ع ۲)

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟

نیز ارشاد ہے کہ:۔

وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ (پ ۶، مائدہ، ع ۶)

اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کسی فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے آپ ہرگز اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ تو یہ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے

عذاب ثابت اور محقق ہو جائے تو اس کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں چھڑا سکتے، لیکن مخالفین کی ستم ظریفی اور خوش فہمی دیکھئے کہ وہ اپنے بھرے مجمعوں اور جلسوں میں اصرار کے ساتھ یہ شعر پڑھا کرتے ہیں ؎

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمدؐ

محمدؐ جو پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا" (معاذ اللہ)

۱۰۔ مشرکین کے سامنے جب قرآن کریم پیش کیا جاتا تھا تو وہ اس سے متعلق کئی ایک بیہودہ باتیں کہہ جاتے تھے، چنانچہ ایک مطالبہ ان کا یہ بھی تھا کہ آپ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن (جس میں توحید کا ذکر نہ ہو اور ہمارے الہوں کی تردید نہ ہو) لے آئیں یا اسی میں کچھ ترمیم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد نازل ہوا

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

(پ ۱۱، یونس، ع ۲)

اور جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اسی میں کچھ ترمیم کر دیجئے آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے پہنچا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ احکام میں تغیر اور تبدل اور ترمیم کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ اور شان ہے اس میں پیغمبر کا کام صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ وحی الٰہی کی پابندی کرے نہ یہ کہ وہ مختار کل ہو یعنی جو چاہے سو کرے (العیاذ باللہ)

۱۱- مشرکین نے کسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مطالبہ کیا تھا (مفسرین کرام نے متعدد قصے نقل کئے ہیں۔ درمنثور اور لباب النقول وغیرہ میں دیکھ لیجئے) بظاہر آپ ان کے مطالبہ کی طرف کچھ مائل ہو جاتے اگر اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی نہ فرماتا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

(پ ۱۵، بنی اسرائیل، ع ۸)

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور موت کے بعد دوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

یہ آیت بھی اپنے مدلول میں بالکل صاف ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل نہ تھے۔

۱۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اور چند ایک مسائل آپ سے پوچھے، آپ نے وحی کے بھروسہ پر زبان سے انشاء اللہ کہے بغیر وعدہ فرما لیا، لیکن تین یا پندرہ روز تک وحی نازل نہ ہوئی اور آپ کو بڑا غم

ہوا، پھر ارشاد باری تعالیٰ یوں نازل ہوا۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّی فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (پ ۱۵، کہف ع ۴)

اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا، مگر خدا کے چاہنے (یعنی انشاءاللہ) کو ساتھ ملا دیا کیجئے۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کُل نہ تھے (بلکہ آپ کو تو یہ حکم ملا کہ آپ یہ بھی نہ کہیں کہ یہ کام میں کل کروں گا جب تک کہ ساتھ یہ نہ کہہ لیں کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہو گا ورنہ نہیں ہو سکتا) کیونکہ مختارِ کُل کسی کی مشیت کا محتاج نہیں ہوتا۔

۱۴۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۰۳، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰ اور ترمذی ص ۱۵۱ وغیرہ میں مروی ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بڑی شفقت اور محبت سے ابو طالب کے سامنے کلمۂ توحید پیش کیا، لیکن اس نے ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کی ملامت کے خوف اور ڈر سے کلمہ نہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا کہ:۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (پ ۲۰، قصص ع ۶)

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے۔

اس آیت سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم اپنے حقیقی چچا اور مجازی سرپرست اور طبعی طور پر محبوب کو بھی ہدایت نہیں دے سکتے تو اور کس کو ہدایت دے سکتے ہیں؟ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تو صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت کا راستہ لوگوں کو بتلا دیتے ہیں؛ ہدایت دینا یا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، جب آپ ہدایت دینے والے نہ ہوئے تو مختارِ کل کیسے ہو گئے؟

۱۴۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹ اور صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۹ میں مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقعہ پر بعض حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی رضاجوئی کے لیے اپنے اوپر شہد حرام کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ الاية (پ ۲۸، تحریم ع ۱)	اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے، آپ اپنی عورتوں کی رضامندی چاہتے ہیں۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ نے شہد استعمال کیا اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا حلال یا حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کسی چیز کو حرام نہیں کر سکتے تھے

۱۵۔ مستدرک ج ۲ ص ۴۹۳ (قال الحاکم والذہبی صحیح) و تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸۶ اور روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۶ وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس مشرکین مکہ کے سردار عتبہ، شیبہ، ابوجہل، اُمیہ بن خلف اور ولید بن المغیرہ وغیرہ حاضر ہوئے، آپ نے موقع مناسب سمجھ کر ان کو اسلام کی دعوت دی، اتنے میں ایک نابینے صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم تشریف لائے اور انہوں نے اپنا کوئی سوال پیش کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ان کا کوئی فرعی سوال ہی ہو سکتا تھا اور مقابلہ میں چونکہ مشرکین تھے آپ ان کو توحید رسالت اور معاد وغیرہ کے اصولی مسائل سمجھاتے ہوں گے اس لیے آپ نے یہ مصلحت سوچی کہ یہ تو چونکہ مسلمان ہے پھر بھی آتا رہے گا اور یہ مشرکین اتفاقاً آگئے ہیں، آپ نے صحابی کو کوئی جواب نہ دیا اور اپنی توجہ مشرکین کی طرف پھیر دی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ عبس نازل ہوئی جس کی ابتدائی آیات مع ترجمہ یہ ہیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی ۙ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ؕ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ؕ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ؕ

(پ ۳۰، عبس، ع ۱)

پیغمبر ترش رو ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا سو اس کو فائدہ ہوتا جو شخص بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔

اس مضمون میں اس کی پوری وضاحت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر مختار کل ہوتے تو جو مصلحت آپ نے سوچی تھی، اس کا بھی آپ کو

اختیار ہوتا؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہہ نازل نہ ہوتی۔

۱۶۔ صحیح بخاری جز ۳۰ وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ پڑھتے جاتے تھے تاکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد بھول نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہہ فرمائی کہ۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚۖ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ (پ ۲۹، قیمٰتہ ۱۶)

اے پیغمبر آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کریں تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں اس کا جمع کرنا اور پڑھوا دینا تو ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم (یعنی ہمارا فرشتہ) اس کو پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔

ان تمام آیات و واقعات سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل نہ تھے کہ جو چاہتے سو کرتے جس چیز کو چاہتے حلال یا حرام کر دیتے، بلکہ ہر حکم میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مکلف تھے اور اس کی پابندی کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

باب سوم

اس باب میں ہم قرآنِ کریم کی وہ آیتیں اور رسالت جدیثیں بیان کرنا چاہتے ہیں جن سے یہ امر بخوبی روشن ہو جائے گا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ اپنے لیے نفع اور ضرر کے مالک تھے اور نہ اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کے لیے اور نہ ہی اُمت کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ (پ۹، اعراف، ع۲۳)

آپ کہہ دیجئے میں اپنی جان کے لیے بھی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۔ (پ۲۹، جن ع۲)

آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میں تمہارے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔

یہ دونوں آیتیں اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے بھی اور اپنی امت کے لیے بھی نفع اور نقصان کے مالک اور مختار نہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے سو وہی کچھ ہوتا ہے۔ حقیقتہً اور مافوق الاسباب طریق سے نفع اور نقصان پہنچانا صرف اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا خاصہ اور نشان ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات آپ پڑھ چکے ہیں، اب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند احادیث سُن لیجئے۔

۱۔ بخاری جلد ۲ ص ۸۸۷ اور مسلم جلد ۲ ص ۲۵۴ وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ننھے بچوں سے پیار کرتے ہوئے دیکھا اور پوچھنے لگا کہ کیا آپ بچوں سے (ازراہِ شفقت) پیار کرتے ہیں؟ ہم تو ایسا نہیں کرتے، اس دیہاتی کے اس سوال پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ — یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت نکال دی ہے تو کیا میں تیرے لیے اس کا مالک ہوں۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی کے دل سے اللہ تعالیٰ رحمت اور شفقت نکال دے تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کا اختیار

نہیں رکھتے کہ اس کے دل سے شفقت نہ نکلنے دیں یا اس کے دل میں رحمت اور شفقت بھر دیں؛ اگر مختار کل ہوتے تو یہ بات آپ کے بس میں ہوتی۔

۲۔ بخاری ج ۱ ص ۴۳۲ اور مسلم ج ۲ ص ۱۲۲ وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقوق عامۃ المسلمین (مثلاً غنیمت، وغیرہ) میں خیانت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے اونٹ، بکری، گھوڑے، کپڑے وغیرہ میں خیانت (اور چوری) کی تو یہ تمام اشیاء قیامت کے دن اس کی گردن پر ہوں گی اور اپنی اپنی آواز ظاہر کرتی ہوں گی اور ایسا خائن وہاں کہے گا۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَآ اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ۔

اے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے اور میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہیں تجھے تبلیغ کر چکا تھا۔

یہ حدیث بھی اپنے مدلول پر بالکل واضح حجت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تبلیغ مسائل اور تبلیغ دین ہے، آپ کسی کے سُود اور زیاں کے مالک نہیں ہیں اور نہ قیامت کو ہوں گے۔

۳۔ بخاری ج ۲ ص ۷۰۲ مسلم ج ۱ ص ۱۱۴ ابو عوانہ ج ۱ ص ۹۳ اور مسند احمد ج ۶ ص ۸۷ وغیرہ میں مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرا دیجئے، تو آپ نے اپنے تمام خاندان،

اور برادری کو جمع کر کے فرمایا۔

اے خاندانِ قریش، اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے (توحید و رسالت وغیرہ عقائد قبول کر کے) بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا، اے خاندانِ بنو عبد مناف، اپنی جانوں کو عذاب سے بچالو، میں تمہیں خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے عباسؓ بن عبد المطلب اور اے میری پھوپھی صفیہؓ اپنے بچاؤ کا انتظام کر لو، میں تمہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے۔

یا فاطمۃؓ سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً	اے (میری لختِ جگر بیٹی) فاطمہ جس مال کا میں مالک ہوں اس سے جتنا تو چاہے مجھ سے مانگ لے مگر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے میں تجھے نہیں بچا سکتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب آپ اپنی پیاری بیٹی، پھوپھی، عزیز چچے اور قریب ترین رشتہ داروں کو خدا کی گرفت سے نہیں چھڑا سکتے تو دوسروں کے لئے مصائب و تکالیف اور خداوندی عذاب سے بچانے کا اختیار بھی آپ کو نہیں۔ اگر آپ مختارِ کل ہوتے تو آپ کو دوسروں کے لئے نہ سہی خود اپنے رشتہ داروں کے لئے تو اختیار حاصل ہی ہوتا۔

سم۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۶۰، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۳ اور مستدرک ج ۲ ص ۴۲۵ وغیرہ میں

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حوالہ سے روایت ہے (جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبی وغیرہ متفق ہیں) کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مدینہ کے قریب پیدل روانہ کیا تاکہ ہم کفار سے جہاد کر کے غنیمت کا مال حاصل کر کے لائیں چنانچہ ہم گئے لیکن ہم غنیمت کے مال سے بالکل محروم رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے چہروں سے ہماری تکلیف اور محرومی کا اندازہ کر لیا، اور آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی فرمایا۔

اللّٰھم لا تکلھم الیّ فاضعف عنھم ولا تکلھم الی انفسھم فیعجزوا عنھا ولا تکلھم الی الناس فیستأثروا علیھم (الحدیث)

اے اللہ ان کو میرے سپرد نہ کرنا کیونکہ میں ان کی حفاظت سے قاصرہ جاؤں گا اور ان کو ان کے سپرد بھی نہ کرنا کہ یہ بھی اپنی حفاظت سے قاصرہ جائیں گے اور ان کو دوسرے لوگوں کے سپرد بھی نہ کرنا کیونکہ وہ اپنے نفوس کو ان پر ترجیح دیں گے۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ چونکہ میں اپنی امت کی حفاظت کرنے سے قاصر ہوں اس لیے ان کی حفاظت اے بارِ الٰہا تو خود کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد نے صاف بتلا دیا ہے کہ مخلوق کی حفاظت کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور وہی مختارِ کل ہے۔

۵۔ مستدرک جلد ۴ صفحہ ۵۲۵ وغیرہ میں ایک حدیث آئی ہے (جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) جس میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

والمیزان بید الرحمٰن یرفع اقواماً ویخفض آخرین الیٰ یوم القیٰمۃ

یعنی بلندی اور پستی کی ترازو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کئی قوموں کو وہ بلند کرتا ہے اور کئی قوموں کو پست کرتا ہے قیامت تک یونہی ہوتا رہے گا۔

اسی طرح ایک حدیث مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۲ اور مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۴ میں آئی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن کریم) کی وجہ سے بعض قوموں کو بام عروج تک پہنچاتا ہے اور بعض دوسروں کو پستی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اقوام عالم کی بلندی اور پستی ترقی اور تنزل کی میزان اور ترازو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس میں کسی دوسرے کو کسی طرح بھی کوئی دخل نہیں، اسی طرح قرآن کریم پر عمل کرنے والوں کو ظاہری اور باطنی جسمانی اور روحانی ترقیوں سے نوازنا بھی صرف

اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور قرآن کریم پر عمل نہ کرنے والوں کو قعر مذلّت میں ڈال دینا بھی صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مختارِ کُل ہوتے جیسا کہ بعض لوگوں کا باطل عقیدہ ہے تو آپ فرما دیتے کہ اب بام عروج پر کسی کو چڑھا دینا اور قعر مذلّت میں ڈال دینا تو میرا منصب ہے اور میں مُختارِ کُل ہوں۔ (العیاذ باللہ)

۶۔ مستدرک ج ۱ ص ۵۲۵ میں حدیث آتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ :-

اللّٰھم انی اسئلك من کل خیر خزائنه بیدك واعوذبك من کل شر خزائنه بیدك	اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں، اور تیری مدد لے کر ہر برائی سے پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بھلائی اور برائی، نیکی اور بدی کے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی باری عزّ وشان خدا تعالیٰ ہی سے برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کا مطالبہ اور سوال کرتے رہے ہیں، مختار کل کو ہر موقع پر سوال کی کیا حاجت ہے؟

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ حافظ ذہبیؒ تلخیص میں لکھتے ہیں کہ ابو الصہباءؒ سے بخاری میں روایت موجود نہیں اور امام حاکمؒ نے

اس حدیث کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

اگرچہ ابو الصہبا بخاری کے رواۃ میں نہیں، لیکن صحیح مسلم ج۱ ص۴۷۸ میں ان کی روایت موجود ہے، امام ابو زرعہؒ ان کو ثقہ کہتے تھے اور ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب ج۴ ص۴۳۹) اور حافظ ابنِ حجرؒ ان کو مقبول لکھتے ہیں (تقریب ص۱۷۸)

۷۔ ترمذی ج۱ ص۱۳۶، ابو داؤد ج۱ ص۲۹۰، نسائی ج۲ ص۷۰، ابن ماجہ ج۱ ص۱۴۳، مشکوٰۃ ج۱ ص۲۷۹ اور مستدرک ج۲ ص۱۸۷ میں روایت ہے جس کی علی شرط مسلم تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں اور حافظ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اسناد صحیح و رجالہ کلھم ثقات (ابن کثیر ج۳ ص۵۱۱) کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات ازواج مطہراتؓ میں برابری کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھم ھذا قسمی فیما املك	یعنی اے اللہ جس ظاہری تقسیم کا میں مالک تھا
فلا تؤاخذنی فیما تملك	میں اس کو ادا کر چکا اور جس چیز کا تو مالک ہے
ولا املك قال الترمذی انما	اور میں مالک نہیں (یعنی حضرت عائشہؓ کی محبت)
یعنی الحب والمودۃ	تو اس میں تو میرا مواخذہ نہ کرنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے دل کی محبت کے بھی مالک نہ تھے اگر مختارِ کل ہوتے تو کم از کم اپنے فعل قلب کے تو مالک ہوتے؟

فائدہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ بیبیاں تھیں حضرت خدیجہؓ[۱]، حضرت زینب ام المساکینؓ[۲]، حضرت عائشہؓ[۳]، حضرت جویریہؓ[۴] حضرت حفصہؓ[۵] حضرت ام سلمہؓ[۶]، حضرت زینبؓ[۷] بنت جحش، حضرت ام حبیبہؓ[۸] حضرت صفیہؓ[۹]، حضرت سودہؓ[۱۰]، حضرت میمونہؓ[۱۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہن (مرقات ج ۲ ص ۴۲) اور دو لونڈیاں تھیں حضرت ماریہؓ[۱] قبطیہ جن کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے (مستدرک ج ۴ ص ۳۸) اور حضرت ریحانہؓ[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہما (مستدرک ج ۴ ص ۴)

حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب ام المساکینؓ آپ کی زندگی میں وفات پاگئی تھیں بقیہ حضرات ازواج مطہراتؓ آپ کے بعد زندہ رہیں ان کے بارے میں آپ کو خاصی پریشانی تھی، آپ نے فرمایا کہ:۔

اِنَّ اَمْرَکُنَّ لَمِمَّا یُھِمُّنِیْ بَعْدِیْ الحدیث (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۶ وقال حدیث حسن صحیح غریب موارد الظمآن ص ۵۴۷)	بیشک تمہارا معاملہ مجھے اپنے بعد پریشان کر رہا ہے۔

اور عالم اسباب کے تحت یہ پریشانی ایک فطری بات تھی کیونکہ آپ نے جو کچھ چھوڑا تھا اس میں وراثت نہیں جاری ہوسکتی تھی وہ سب کا سب صدقہ تھا (ما ترکنا صدقۃ) اور قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق آپ کی بیبیاں مومنوں کی مائیں ہیں (وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ) آپ کی وفات کے بعد ان کا نکاح کسی سے جائز نہ تھا اور بعض ازواج مطہراتؓ آپ کے بعد تقریباً

پچاس سال تک زندہ رہیں اس طویل عرصہ میں نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کے سلسلہ میں آپ کی پریشانی بجا تھی اگر آپؐ مختارِ کُل ہوتے یا آپ کے خزانے مل چکے ہوتے تو پھر یہ پریشانی ہرگز نہ ہوتی زندگی کے آخری ایام میں بھی آپؐ نے اہلِ خانہ کے خرچہ کے سلسلہ میں پریشانی اُٹھائی ابو الشحم نامی یہودی سے (مسندِ شافعی صے۸۶) آپ نے خانگی ضروریات کے لیے (لاھلہ ابن ماجہ صے۱۷۵) تیس صاع جَو ادھار لئے تھے اور اپنی لوہے کی زرہ اس یہودی کے پاس رہن رکھی تھی (بخاری ج۲ صے۶۱۲) جو آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے چھڑائی تھی (موارد الظمآن صے۲۷۵) کیا مختارِ کُل اور خزانوں کے مالک کا یہی حال ہوتا ہے؟ مخالفین کچھ تو خیال کریں۔

ہم سردست انہی احادیث پر اکتفا کرتے ہیں وَفِیْهَا کِفَایَةٌ لِمَنْ لَهٗ هِدَایَةٌ۔

باب چہارم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم فریق مخالف کے استدلالات کے جوابات بھی لکھیں تاکہ غلط فہمی نہ رہے۔

ان حضرات نے اپنے باطل عقیدہ کے اثبات کے لیے قرآن کریم اور احادیث سے استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ہم پہلے قرآنِ کریم کی آیات کا صحیح محمل اور ان حضرات کے جوابات پیش کرتے ہیں، پھر احادیث کے استدلالات کے جوابات لکھیں گے انشاء اللہ العزیز۔

۱۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ

یعنی جو لوگ پیروی کرتے ہیں اس نبی امی کی جس کو لکھا پاتے ہیں اپنے نزدیک توریت اور انجیل میں جو ان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہے ان کو برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاکیزہ

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (پ ۹، اعراف، ع ۱۹)

چیزوں کو، اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاکیوں کو اور دُور کرتا ہے ان سے بوجھ اور وہ طوق جو ان پر تھے۔

فریق مخالف کا کہنا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلال اور حرام کیا کرتے تھے، اور اُمت سے شاق اور گراں بوجھ اُتار پھینکتے تھے، اور مختارِ کُل کا یہی معنٰی ہے، اور مؤلف "نور ہدایت" نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار نبی ہیں، آپ دافع البلاء مشکل کشا لوگوں کے بوجھوں کو اتارنے والے ہیں اور آپ حلال و حرام فرمانے والے ہیں (ص ۶۸)

جواب:۔ یہ آیت سورۂ اعراف کی ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے (تفسیر اتقان علامہ سیوطی ج ۱ ص ۱۸) اگر اس آیت کا یہی مطلب ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار اس آیت سے مل چکا تھا تو آپ ہی فیصلہ کریں کہ سورۂ تحریم جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں اس کے خلاف کیوں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ الخ (پ ۲۸، تحریم، ع ۱)

اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں حلال اور حرام کرنے کا حق دیا جا چکا ہوتا، اور اس آیت سے اس کا ثبوت ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا زعم باطل ہے تو محال تھا کہ مدینہ طیبہ میں یہ حکم نازل ہوتا کہ آپ نے وہ چیز کیوں حرام کر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے قرآن کریم میں تو قطعاً تعارض اور تخالف کا احتمال ہی نہیں اور جو معنی قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا فریق مخالف نے بیان کیا ہے اس سے صریح تعارض لازم آتا ہے لہٰذا وہ مطلب اور معنی بالکل مردود اور ناقابلِ قبول ہے۔

مؤلف "نور ہدایت" نے تحریم شہد کے سلسلہ میں بڑی فاحش غلطی کی اور ٹھوکر کھائی ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

"کیونکہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہد کو حرام نہیں سمجھا تھا بلکہ شہد کے آئندہ نہ کھانے کا عزم فرمایا تھا تو سورۂ تحریم نازل ہوئی"۔ (بلفظہٖ ص)

مگر ان کا یہ نظریہ نرا جاہلانہ ہے اولاً اس لیے کہ اگر آپ نے شہد کو حرام نہیں قرار دیا تھا تو پھر یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ الآیۃ کے الفاظ کے ساتھ تنبیہ کس کو ہوتی؟ اور کیوں ہوئی؟ بلاشک یہ آپ کی ایک اجتہادی لغزش تھی جو نہ صغیرہ میں داخل ہے اور نہ کبیرہ میں اور نہ اس سے عصمت کے مسئلہ پہ ذرہ برابر کوئی حرف آتا ہے، مگر تحریم کی نسبت تو آپ کی طرف کی

گئی ہے۔ یہ مؤلف "نورِ ہدایت" کی اشد حماقت ہے کہ وہ یوں لکھتا ہے کہ "اگر شہد کو آپ نے حرام قرار دیا ہوتا تو حلال قطعی کو حرام سمجھنے سے آپ کی طرف گناہ کبیرہ اور وہ بھی کفر کی نسبت لازم آتی ہے، کیونکہ کتبِ معتبرہ میں یہی لکھا ہے کہ حلال کو حرام سمجھنا کفر ہے" (محصلہ ص ۲) لیکن یہ مؤلف مذکور کی انتہائی نادانی اور جہلِ عظیم ہے (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) جو چیز کتبِ عقائد وغیرہ میں لکھی ہے وہ واقعی ٹھیک ہے کہ حلال کو حرام سمجھنا اور بالعکس کفر ہے مگر یہ وہ مقام نہیں ہے۔ آخر محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ کی تصریحات اور کتبِ فقہ میں مستقل ابواب موجود ہیں کہ اگر کوئی شخص غصہ اور طیش وغیرہ میں اپنی بیوی کو حرام کر دے یا کھانے پینے کی اشیاء کو حرام کہہ دے تو اس پر کفارہ اور طلاق وغیرہ کے احکام تو جاری ہوں گے مگر وہ کافر نہ ہوگا، کیونکہ اس نے اس معہود چیز کو ساری دنیا کے لیے نخوتاً ہی حرام سمجھا اور کہا ہے اور نہ یہ سمجھا ہے کہ واقعی فی نفسہٖ یہ چیز حرام ہو گئی ہے بلکہ اُس نے اپنے لیے اُس کو حرام سمجھا ہے جو یمین اور قسم کی مد میں داخل ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ کے الفاظ سے اس کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اور اس فعل کو یمین اور قسم سے تعبیر فرمایا ہے۔

وثانیاً خود قرآن کریم میں اور متعدد احادیث میں اس کارروائی پر تحریم کا

اطلاق ہوا ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ بہت سی مختلف احادیث کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ :-

والصحیح ان ذالك كان فی تحریمه العسل (تفسیر ج۴ ص۳۸۷)

صحیح بات یہ ہے کہ جب آپ نے شہد کو حرام کر دیا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

باقی آیت میں تحلیل اور تحریم کی جو نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے تو اس کا صحیح محمل یہی ہے کہ آپ نے ان اشیاء کی حلت اور حرمت کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں باحوالہ وضاحت سے لکھ آئے ہیں وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ اپنا منصب صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے، چنانچہ روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی حضرت جویریہؓ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں۔

وانی لست احرم حلالا ولا احل حراما ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ وبنت عدو اللہ ابدا۔ (بخاری ج۱ ص۴۳۸ و مسلم ج۲ ص۲۹۰)

یعنی اور بلاشبہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا (اور نہ کر سکتا ہوں) لیکن بخدا رسول اللہ کی بیٹی اور دشمنِ خدا کی بیٹی دونوں کبھی یکجا نہیں ہو سکتیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں
"وگفت من حرام نمی گردانم حلال را و حلال نمی گردانم حرام را ولیکن ہرگز
جمع نشود دختر دوستِ خدا و دختر دشمنِ خدا در یکجا"۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۹۱)
اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ بات واضح کر دی،
کہ اگرچہ شرعی لحاظ سے حضرت جویریہؓ کا نکاح حضرت علیؓ کے لیے حرام نہیں
بلکہ حلال ہے اور اس حلال کو میں حرام نہیں کرتا اور نہ میں حرام کر سکتا ہوں،
کیونکہ یہ میرے منصب میں داخل نہیں لیکن چونکہ حضرت فاطمہؓ میرے دل کا
ٹکڑا ہے اس لیے اس کو جس چیز سے تکلیف ہو گی لامحالہ وہ چیز میرے
لیے بھی موجب پریشانی ہو گی اس لیے میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میری اور
ابوجہل کی بیٹی بیک وقت یکجا ہوں، بلکہ ایک روایت میں تو اس کی بھی تصریح
فرما دی کہ اگر حضرت علیؓ جویریہؓ سے نکاح کرنا ہی چاہتے ہیں تو میری لڑکی
کو طلاق دے دیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۸۷)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مرض الموت میں حضرات صحابہ کرامؓ
کو جہاں اور چند ضروری اور مفید نصائح کیے ایک وصیت یہ بھی ارشاد فرمائی
کہ حلال اور حرام کرنے کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے صرف
وہی چیز حلال کی ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب (اور وحی) میں حلال
کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے (مسندِ امام شافعیؒ صفحہ ۱)

باب استقبال القبلہ وطبقات ابن سعد باب وفات نبوی ماخوذ از تاریخ اسلام ج۱ ص۱۰۱ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تھوم کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا تو لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ شاید تھوم حرام ہو چکا ہے، آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ایّھا الناس انہ لیس لی تحریم ما احل اللہ لی ولکنّھا شجرۃ اکرہ ریحھا الخ (مسلم ج۱ ص۲۰۹)	اے لوگو جو چیز اللہ تعالیٰ نے میرے لیے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا کیا حق ہے؟ لیکن میں تھوم کی بُو کو پسند نہیں کرتا۔

اور دوسری روایت میں یوں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ایّھا النّاس انہ واللہ مالی ان احرم ما احل اللہ ولکنی اکرہ ریحہ (الحدیث، ابوعوانہ ج۱ ص۴۱۲)	اے لوگو! خدا کی قسم جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن میں اسکی بُو کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

ان صحیح اور صریح روایتوں سے بھی یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلال وحرام کرنے کا حق حاصل نہ تھا اور نہ یہ منصبِ نبوت میں داخل ہے، اور محدثین کرامؒ کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ الحدیث یفسر بعضہ بعضًا ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر لست احرم حلالًا (الحدیث) کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ میں حلال کو حرام نہیں کر سکتا

اور نہ مجھے یہ حق حاصل ہے طبعی طور پر با فرشتوں یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اذیت کے ڈر سے کسی چیز کا پسند نہ ہونا بات ہی الگ ہے یہ محل نزاع نہیں ہے۔

صاحبِ نورِ ہدایت ۵۵؎ کا یہ کہنا کہ اس میں کہاں موجود ہے کہ مجھے حلال وحرام کا اختیار نہیں یا میں حلال کو حرام نہیں کر سکتا الخ تو یہ ان کا صریح اور صحیح احادیث اور دلائلِ قطعیہ کے پیشِ نظر نرا جاہلانہ جواب ہے اسی طرح ان کا یہ لکھنا کہ "فقیر پر تفصیر احادیث کے مطالعہ سے جہاں تک سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ممنوع تھا الخ (۵۵؎ نورِ ہدایت) تو یہ بھی نرا فقیرانہ اور واقعی تفصیرانہ جواب ہے۔ محدثین کرام اس نظریہ کے بالکل خلاف ہیں اور حدیث کے ظاہری الفاظ بھی اس کے مؤید نہیں ہیں چنانچہ امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قالوا وقد اعلم صلی اللہ علیہ وسلم باباحۃ نکاح بنت ابی جھل لعلی رضی اللہ عنہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لست احرم حلالا الخ (شرح مسلم ج۲ ص۲۹۰)	محدثین نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلٰلاً الخ کے الفاظ سے یہ بات بیان کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ابوجہل کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حلال ہے۔

پھر آگے لکھا ہے کہ نہی عن النکاح کی دو منصوص علتیں خود اس

حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت فاطمہ رضؓ کی ایذاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اذیّت کا موجب ہو گی، اس لیے آپ نے منع کر دیا، تاکہ حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں دوم یہ کہ حضرت فاطمہ رضؓ کی غیرت کی وجہ سے فتنہ کا خوف تھا اس لیے منع فرمایا۔ باقی اس کے خلاف قول کو امام نوویؒ نے قیل کے لفظ سے نقل کر کے اس کا ضعف واضح کیا ہے وہ یہ کہ آپ نے امرِ واقعی کی طرف اشارہ فرما کر یہ بات واضح کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ اور جویریہ دونوں ایک ساتھ نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اور یہ وہی جواب ہے جو صاحبِ نورِ ہدایت نے ص۲۰ میں زور دار الفاظ میں بیان کیا ہے مگر حدیث میں منصوص علت کو چھوڑ کر کون قیل کے مرجوح قول کو لیتا ہے اور وہ بھی مختار کل کے مسئلہ پر جس میں نصوص قطعیہ موجود ہیں۔ باقی نورِ ہدایت ص۲۰ والے کا یہ جواب کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کے حرام و حلال محکم کو میں تبدیل نہیں کر سکتا الخ تو اس کا احتمال ہے اور امام نوویؒ نے بھی محتمل کے ساتھ اس کو قدرے وضاحت سے پیش کیا ہے مگر اس سے فریق مخالف کو ایک حبّہ کا فائدہ بھی نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ جب دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حلال و حرام کرنے کا منصب عطا ہی نہیں کیا تو جو چیز خدا تعالیٰ نے حرام کی ہے

وہ حرام ہی رہے گی اور جو حلال کی ہے وہ حلال ہی ہوگی۔ خدا تعالیٰ کی حرام کردہ
چیز کو حلال کہنا یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام کہنا ہی خدا کے مقابلہ میں حلال و
حرام کرنا ہے' اسی لیے آپ نے اپنا منصب بیان کر دیا ہے کہ لست احرم
حلالا الخ میں حلال کو حرام کرنے کا مجاز نہیں ہوں' اگر آپ مختار کُل ہوتے
یا آپؐ کو حلال و حرام کرنے کا منصب مُفوّض ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا
باطل دعویٰ ہے تو آپ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ لست احرم حلالاً الخ اور
لیس لی تحریم ما احل اللہ الخ اور واللہ مالی ان احرم ما احل اللہ الخ
ان میں ایک ایک روایت اس بات کو واضح سے واضح تر کر رہی ہے کہ
حلال و حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کو اس کا کوئی حق اور اختیار نہیں ہے یہ بھی ملاحظہ کیجئے اور مؤلّف
"نور ہدایت" کا یہ بے بنیاد دعویٰ بھی دیکھئے کہ "اور صحیح یہی ہے کہ آپ کو
حلال و حرام کرنے کی اجازت تھی" ص ۸۲ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللہِ۔

باقی جن شواہد کو مؤلّف "نور ہدایت" نے ص ۸۵ میں حضرت جویریہ رضؓ
کے ساتھ نکاح کے ممنوع ہونے پر پیش کیا ہے' وہ ان کی اپنی
اصطلاح میں صرف فقیرانہ اور تقصیرانہ ہیں کیونکہ یہی قرآن اور شواہد
محدّثین کرامؒ نے نکاح کی حلّت کے لیے بیان اور پیش کئے ہیں' نووی
شرح مسلم وغیرہ میں اس کو ملاحظہ کر لیجئے طبیعت صاف ہو جائے گی

انشاء اللہ العزیز اور پھر یہ بھی پڑھ لیجئے کہ ع

"میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا"

مؤلف "نور ہدایت" کی ڈبل علمی خیانت

مؤلف نے ایک طویل حدیث کا یہ ٹکڑا جو ان کے لیے مفید ہو سکتا تھا پیش کر دیا ہے کہ :۔

وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ (الحدیث) (المشکوٰۃ ج۱ ص۲۹) ابن ملجہ ص۳ (نور ہدایت ص۱۶۲)	بے شک جسے رسولِ پاک نے حرام کیا، وہ اس چیز کی طرح ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے الخ

مگر اس حدیث کا ابتدائی حصہ جس سے اس کی تشریح ہوتی ہے اس کو شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں، افسوس اور حیرت ہے اس دیانت پر اس حدیث کا ابتدائی حصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ (الحدیث) ابوداؤد ج۲ ص۲۷۶ ومشکوٰۃ ج۱ ص۲۹	خبردار! مجھے قرآن کریم بھی عطا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل اور بھی

وہ "اور" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے جس میں حلال و حرام سب کچھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ ابن ماجہ ص۳ کی مفصل بلکہ اسی

روایت میں بجد ث بحدیث من حدیثی کے الفاظ موجود ہیں، اور ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۱ میں اسی حدیث کے لفظ ہیں بحدیث الحدیث عنی الخ مگر افسوس ہے مؤلف نور ہدایت کی مطلب پرستی اور دیانت پر کہ وہ یہ سب کچھ ہضم کر گئے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (پ ۲۸، حشر، ع ۱)

اور جو چیز تمہیں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں اس کو لے لو، اور جس چیز سے تمہیں منع کریں اس سے رُک جاؤ۔

ان بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تمام چیزیں اُمّت کو دیتے ہیں اور چاہیں تو نہ بھی دیں، تو ثابت ہوا کہ آپ مختارِ کل ہیں۔

جواب:۔ ہم نے مقدّمہ میں یہ بات باحوالہ عرض کی ہے کہ روافض کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آئمہ کرام مختار کُل ہیں، انہوں نے بھی اپنے اس دعویٰ پہ قرآن کریم کی اسی آیت کو پیش کیا ہے لیکن یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ کیا اس آیت سے مَآ اٰتٰىكُمُ وَمَا نَهٰىكُمْ سے کون سے اُمور مراد ہیں تکوینی یا تشریعی؟ اگر تکوینی امور اس سے مراد ہیں تو بعض چیزیں اس سے قبل گزر چکی ہیں اور بعض آئندہ باحوالہ انشاء اللہ اپنے موقع پر مذکور ہوں گی کہ تکوینی امور میں مخلوق کا کچھ دخل نہیں، علاوہ بریں اگر

تکوینی امور مراد ہوتے تو نھٰکم کا جملہ اللہ تعالیٰ نے کیوں ارشاد فرمایا؟ نہی کا لفظ اور اس کے محل استعمال کو ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ امورِ تشریعی سے اس کا تعلق ہوتا ہے آپ مندرجہ ذیل احادیث کو ملاحظہ فرمائیں جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمائی ہیں۔

ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فافعلوا ما استطعتم (بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۲ و مسلم ج ۲ ص ۲۶۲)

جس چیز سے میں تمہیں نہی کروں اس سے رک جاؤ اور جس چیز کا میں تمہیں امر اور حکم کروں اس کو کرو لیکن اپنی استطاعت کے مطابق۔

اور ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

وافعلوا ما امرتم بہ وانتھوا عما نھیتم عنہ (مستدرک ج ۲ ص ۲۸۹ وقال الحاکم صحیح)

اور کرو جس چیز کا تمہیں امر کیا گیا ہے اور رک جاؤ جس چیز سے تمہیں نہی کی گئی ہے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ذرونی ما ترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بسؤالھم واختلافھم علی انبیاءھم فاذا امرتکم بشیء فخذوا منہ ما استطعتم و

یعنی مجھ سے سوال و بحث چھوڑ دو جب تک کہ میں خود تمہیں کچھ نہ کہوں تم سے پہلی (اکثر) امتیں اسی لئے ہلاک ہوئی ہیں کہ اپنے پیغمبروں سے بیجا سوال اور اختلاف کرتی تھیں

اذا نھیتکم عن شئ فانتھوا۔ (ابن ماجہ ص۲ و مسند احمد ج ۲ ص۳۵۵)

سو جب میں تمہیں کسی چیز کا امر کروں تو اسے اپنی استطاعت کے مطابق کرو اور جس چیز سے میں تمہیں منع کروں تو اس سے رک جاؤ۔

یہ حدیث مسند احمد ج ۲ ص۴۱۳ و ۲ ص۴۷۵ و ۲ ص۴۸۲ و ۲ ص۵۰۸ میں متعدد الفاظ کے ساتھ مروی ہے کسی میں اذا امرتکم بامر فأتمروا آتا ہے کسی میں فاتبعوا اور کسی میں فدعوہ اور کسی میں ذروہ وغیرہ کے الفاظ ہیں ان عام روایات میں امر اور نہی کو ایک دوسرے کے مقابل بیان کیا گیا ہے اور پھر امر میں ائتمار اور اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور استطاعت کی قید لگائی گئی ہے اور نہی میں اجتناب اور گریز کا حکم دیا گیا ہے۔

الغرض ان احادیث سے واضح ہوا کہ دینے اور منع کرنے سے امورِ شرعی مراد ہیں نہ کہ تکوینی جیسا کہ فریق مخالف نے سمجھا ہے بلکہ ایک حدیث میں صاف الفاظ موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لیس عمل یقرب الی الجنۃ الا قد امرتکم بہ ولا عمل یقرب الی النار الا قد نھیتکم عنہ۔ (مسند رک ج ۲ ص۴ وسکت عنہ)

کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس سے جنت کا قرب حاصل ہوتا ہو مگر میں نے اس عمل کا تمہیں حکم کیا ہے اور کوئی عمل ایسا نہیں جس سے دوزخ کا قرب حاصل ہوتا ہو مگر میں نے تمہیں اس سے منع ہی کیا ہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا منصبِ اُمورِ دین بیان کرنا تھا اور اس آیت سے بھی یہی مراد ہے جیسا کہ مسلم ج۲ صد ۲۶۴ میں حدیث آتی ہے آپ نے فرمایا کہ جب میں تمہیں امرِ دین کا حکم کروں تو اس کو تم ہر حال کیا کرو، آگے ارشاد ہوتا ہے:۔ یعنی دنیا کے کاموں کو تو تم (مجھ سے)

انتم اعلم بامر دنیاکم زیادہ بہتر جانتے ہو۔

تو اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ نے جو اوامرِ دین اُمّت کو پہنچائے ہیں، ان کو کرنا چاہیئے، اور جن نواہی سے روکا ہے ان سے رُکنا چاہیئے اس آیت سے ہر چیز کا دینا اور منع کرنا ہرگز مراد نہیں جیسا کہ روافض اور فرقہ بریلویہ نے سمجھا ہے نیز اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ آپ شارع ہیں جیسا کہ زائغین نے سمجھا ہے جو بالکل باطل ہے کیونکہ نبی اور رسول کا منصب تبلیغِ احکام ہوتا ہے نہ کہ تحلیل و تحریم کا مقام حاصل کر کے شارع ہونا، حکم تو یہ ہے یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ الاٰیۃ۔ ہاں مجازی طور پر شارع کا اطلاق محلِ نزاع نہیں ہے (دیکھئے راہ ہدایت صد ۱۸۲)

مگر اس سے فریقِ مخالف کو کوئی فائدہ نہیں ہے کما لا یخفیٰ۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ارشاد فرماتا ہے کہ اے مومنو! ان لوگوں سے جہاد کرو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ (پ۱۰، توبہ ع۴) اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو وہ حرام نہیں سمجھتے۔

اس آیت سے بھی فریقِ مخالف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مختارِ کُل ثابت کیا ہے۔

جواب :۔ اس آیت کا بھی وہی مطلب ہے جو پہلی آیت کا تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف تحلیل اور تحریم کی نسبت اس معنٰی کے اعتبار سے ہے کہ آپ رسول اور مبلغ تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کی مفصّل عبارت پہلے گذر چکی ہے

۴۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پ۲۲، احزاب ع۲) کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ صادر فرمائیں تو وہ اپنے معاملہ میں اپنی رائے اور اختیار کو دخل دیں۔

اس آیت سے بھی مخالفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مختارِ کُل ہونے پر استدلال کیا کرتے ہیں۔

جواب :۔ اس آیت سے تو صرف اتنا ہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرے اور اس کا رسول برحق صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس فیصلہ کو بیان اور ظاہر کرے تو اس معاملہ میں کسی مومن اور مومنہ کو لب کشائی کا حق ہی نہیں

پہنچا، فریق مخالف نے اس سے یہ کیوں کو سمجھ لیا ہے کہ جو فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از خود کریں جس سے آپ کا مختار کل ہونا ثابت ہو جائے فریق مخالف کے معتمد مفسر مولوی عبدالحق صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

(تفسیر اکلیل ج ۶ ص ۲۸)

بان قضاء رسول اللہ ھو قضاءہ لان قضاء الرسول بامر اللہ ووحیہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔	یعنی رسول اللہ کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہے اس لیے کہ رسولُ اللہ کا فیصلہ خدا تعالیٰ کے حکم اور وحی سے ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا کرتے جو فرماتے ہیں وحی کے ذریعہ ہی سے فرماتے ہیں۔

الغرض حقیقتہً فیصلہ تو خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام یہ ہے کہ وہ اس کو بیان فرماویں، اس میں آپ کی نافرمانی خدا تعالیٰ کی نافرمانی ہے جو سراسر کفر ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین مدینہ کی بے عنوانی ذکر فرمائی ہے کہ:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ه وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا	اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارہ میں آپ پر طعن کرتے ہیں سو اگر ان صدقات میں سے ان کو کچھ مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو نہیں

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ
اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ه
(پ ۱۰، توبہ۔ ع ۷)

ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ اُن کو اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کا رسول دے گا، ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

اس آیت سے بھی فریقِ مخالف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مختارِ کُل ہونے پر احتجاج کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہمیں اس آیت سے سبق ملتا ہے کہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ اللہ اور رسول عطا فرمائے گا اھ دیکھئے "نورِ ہدایت" ص۷۶ وغیرہ

جواب: یہ آیت اپنے مدلول پر خود ظاہر ہے کہ صدقات اور غنیمت کے مال کی تقسیم پر دنیا پرست اور خود غرض منافقین نے اعتراض کیا، اگر اُن کو حصّہ مل جاتا تو اعتراض نہ کرتے اور کہ جنابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم کو کیوں نہیں دیتے اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتا ہے کہ اگر وہ منافق اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ نے حقیقتہً اور جنابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے غنیمت اور صدقات کی تقسیم پر ان کو دیا تھا، تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمانبردار رہو جاتے اور اگر اس وقت ان کو پورا حصّہ نہ مل سکا تھا تو یہ کہہ کر تسلّی کر لیتے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ سے توقع اور اُمید ہے

کہ کسی غنیمت کے موقع پر ہمیں بہت کچھ دے گا جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم فرمائیں گے، اور ہم کو بھی دے دیں گے۔

الغرض اس آیت میں صدقات (وغیرہا) کی تصریح موجود ہے اس سے یہ ثابت کرنا کہ دنیا کی ہر چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتے ہیں یا یہ دنیا مافوق الاسباب طریق پر تھا جو متنازع فیہ ہے قرآن کریم سے صریح بغاوت ہے (العیاذ باللہ)

۶۔ اللہ تعالیٰ منافقین کی اسلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پروائی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا نَقَمُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (پ ۱۰، توبہ ع ۱۰)

اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزقِ خداوندی سے مالدار کر دیا۔

مخالفین اس آیت سے بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی غنی کر سکتے ہیں، لہذا مختار کل ہوئے۔ (دیکھئے نور ہدایت ص ۹۵ وغیرہ)

جواب:۔ قاضی بیضاویؒ (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۱۳) میں لکھتے ہیں کہ "اکثر اہلِ مدینہ محتاج اور غریب تھے، جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو جہاد کا حکم ہوا اور غنیمت حلال ہوگئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنیمت تقسیم کر کے لوگوں کو دی اور ان

کے حالات سدھر گئے تو ان منافقین کو چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے اور دینِ حق میں صحیح طور پر داخل ہو کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اعانت کرتے لیکن انہوں نے برخلاف اس کے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا اسلام کے خلاف انہوں نے محاذ اسی لیئے قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بذریعہ غنیمت (لے و غیرہا) اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بذریعہ تقسیم غنیمت غنی کر دیا ہے؟

صحیح بخاری کی ایک روایت اس امر کی تشریح کرتی ہے کہ غنی کرنے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف محض ظاہری سبب ہونے کی وجہ سے ہے چنانچہ آپ نے حُنین کی غنیمت تقسیم کی تو بعض نوجوان انصار نے کچھ اعتراضات کئے، اس موقع پر آپ نے ان سے یوں خطاب فرمایا کہ:۔

یا معشر الانصار الم اجد کم ضُلّالًا فھدا کم اللہ بی وکنتم متفرقین فالّفکُمُ اللہُ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔ (الحدیث) (بخاری جلد ۲ صـ۶۲)

اے انصار کے گروہ کیا میں نے تمہیں گمراہ نہ پایا تھا؟ سو تمہیں اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے ہدایت کی، اور تم متفرق نہ تھے؟ پس اللہ تعالےٰ نے میری وجہ سے تمہارے درمیان الفت ڈالی اور تم محتاج نہ تھے؟ سو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔

یہ صحیح روایت اس امر کی واضح ترین دلیل ہے کہ آپ ان لوگوں کی غنیٰ کا

سبب اور ذریعہ تھے اور اس میں کس مسلمان کو اختلاف ہو سکتا ہے ؟
چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابنِ کثیرؒ المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ :۔

ای وما للرسول عندھم ذنب الا ان اغنھم اللہ ببرکتہ ویمن سعادتہ الخ	یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے ہاں اور کیا قصور ہو سکتا ہے، کہ وہ فقیر تھے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت اور بہترین سعادت کی بدولت اُن کو غنی کر دیا۔
(تفسیر ج۲ ص۳۷۳ طبع مصر)	

یعنی آپ کا اور تو کوئی قصور اور عیب نہیں، اگر کوئی ہے تو صرف یہی ہے کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی کر دیا ہے اور اس کو کون احمق ذنب اور قصور کہنا یا کہہ سکتا ہے ؟ لہٰذا آپ کے سر سے قصور ہی کوئی نہیں، وہی منافق محض نمک حرام ہیں۔ حافظ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وھذہ الصیغۃ تقال حیث لا ذنب (ج۲ ص۳۷۳)	اور یہ ومَا نَقَمُوا الآیۃ کا صیغہ وہاں بولا جاتا ہے جہاں کوئی گناہ نہ ہو۔

اس آیت سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مافوق الاسباب طریق پر بھی کسی کو غنی کر سکتے ہیں بلکہ قرآن کریم میں ہی مذکور ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے کہ آپ ہمارے لیے سواری کا انتظام کریں ہم آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے ہیں، آپ نے اس سے اپنی مجبوری کا اظہار فرمایا،

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُکُمْ عَلَیْہِ (پ۱۰، توبہ، ع۱۲) آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام چیزوں کے خزانے دے کر مالک و مختار بنا دیا تھا، جس طرح کہ فریق مخالف کا خام خیال ہے تو آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں؟ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام خزانوں پر قابض ہونے کے باوجود بھی خلاف واقع بات کہتے رہے ہیں کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ میں تمہیں دوں؟ (العیاذ باللہ)

یہاں تک ہم نے فریق مخالف کی طرف سے جتنی آیات پیش کی ہیں وہ اس امر پر مبنی تھیں کہ خدا اور رسول کے درمیان فرق اور امتیاز باقی تھا، اب بعض ایسے دلائل بھی سُن لیجئے جن میں یہ امتیاز بالکل کافور نظر آتا ہے خدا اور رسول کو گڈمڈ کر کے پیش کیا جاتا ہے اور یہ فرقہ یہ کہا کرتا ہے کہ

اَحَدْ اور اَحْمَدْ میں کوئی فرق نہیں ہے

وہی جو عرش بریں پر تھا خدا ہو کر\
مدینہ میں اُترا وہ مصطفےٰ ہو کر (معاذ اللہ)

اور مجاہد تحریف مولوی محمد عمر صاحب نے تو حد ہی کر دی ہے وہ آیت:۔

وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ اور وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں میں (بحد ایمان) تفریق کرتے

بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ (الآیۃ) (پ ۶ النساء) — ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔

کا صحیح مطلب چھوڑ کر (جو یہ ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ وغیرہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں یوں فرق کرتے ہیں کہ مثلاً خدا تعالیٰ کے احکام کو بزعم خود تو قبول کرتے ہیں، اور ان پر ایمان لاتے ہیں مگر اس کے رسولوں کے احکام کو نہیں تسلیم کرتے اور اسی طرح بعض انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں جو نرا کفر ہے) یوں تحریف کرتے ہیں کہ:-

"ان آیات فرقا نیہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسولوں کے درمیان فرق ڈالنے والوں اور رسولوں کو غیر اللہ کہنے والوں کے واسطے فتویٰ کفر ارشاد فرمایا کیونکہ کافر اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان ایک غیریت کے رہنے کا قائل ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے سزا سخت فرمائی اور تفریق نہ کرنے والوں کو ایماندار ہونے سے سراہا۔" اھ (بلفظہٖ مقیاس حنفیت ص ۲۴۳) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔

آیت ۱۳:- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ — سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا، اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں

رَمٰی (پ۹، انفال ع۲) پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی۔

اس سے فریق مخالف یہ ثابت کیا کرتا ہے کہ حقیقتہً تو خاک کی مٹھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خدا ہیں تو اَحَدْ اور اَحْمَدْ میں کیا فرق رہا۔ نیز جب خدا ہو گئے تو مختارِ کل ہوئے۔ (اعاذنا اللّٰہ من تلك الخرافات)

جواب اوّل:۔ اگر اس آیت کے دوسرے ٹکڑے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے تو اوّل حصہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خدا ہونا بھی ثابت ہو گا، کیونکہ ارشاد ہوتا ہے کہ تم نے دشمنوں کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے قتل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جنگ بدر وغیرہ میں کافروں کو حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ ہی نے قتل کیا تھا، لہٰذا وہ سارے خدا ہوئے، فرق کیا رہا؟ (العیاذ باللّٰہ ثم العیاذ باللّٰہ)

جواب دوم:۔ انسان کے کام چونکہ عالمِ اسباب میں ایک خاص قوت اور طاقت سے ظاہر ہوتے ہیں، اگر انسان کی طاقت سے زیادہ کام ہوا جو عام طور پر عالم اسباب میں انسان سے نہیں ہوا کرتا تو ایسے کام میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا خاص دخل ہوتا ہے چونکہ جنگِ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام یہ تھا کہ ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیں۔ اس خاک کی مٹھی کو

نزدیک اور دور، سامنے اور پیچھے، دائیں اور بائیں غرضیکہ ہر آدمی کی آنکھ میں پڑنا محض اللہ کی قدرت سے تھا، اس لیے ارشاد ہوا کہ جو مٹھی خاک کی آپ نے پھینکی تھی، اس کو ہر ہر دشمن کی آنکھ تک پہنچانا آپ کا کام نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا کام تھا،

جس طرح تین سو تیرہ کی تعداد میں بے سروسامان حضرات صحابہ کرام کا ایک ہزار مسلح اور ساز و سامان والوں پر غالب آ جانا اور ان میں بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر دینا عادتاً انسان کی طاقت سے باہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ مشکل نہیں اسی لیے یہ ارشاد ہوا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حالات اور اسباب ایسے پیدا کیے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو قتل کروا دیا۔

آیت ۲: ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ منافق جھوٹی قسمیں کھا کر تمہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ :۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (پ۱۰، توبہ ع۸)	اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس کو راضی کرتے اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں۔

فریق مخالف کہا کرتا ہے کہ اس آیت میں يُرْضُوْهُ میں مفرد کی ضمیر اللہ اور اس کے رسول کی طرف راجع ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ایک ہی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

جواب: ۔ جمہور مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی

رضا ایک ہی ہے یعنی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے اور جو شخص رسول اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ خدا کا بھی نافرمان ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بدون آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ آپ کی رضا بدون رضا الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔

جب اللہ اور اس کے رسول کی رضا ایک ہے اور آپس میں لازم ملزوم ٹھہری تو اس لیے مفرد کی ضمیر لائی گئی نہ یہ کہ خدا اور رسول ایک ہی ہیں (عیاذاً باللہ)

آیت ۳: ۔ اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان (جو ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر ہوئی تھی) کا ذکر بیان فرمایا ہے: ۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ الآية (پ ۲۶ فتح ع ۱)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

فریق مخالف بیان کرتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی تو احد اور احمد میں کیا فرق رہا؟ (مثلاً دیکھئے مقیاس حنفیت ص ۴۲۳ وغیرہ)

---

[1] دیکھو احکام القرآن علامہ ابوبکر رازی حنفی ج ۳ ص ۱۲۳ وغیرہ

فریقِ مخالف کے بعض مولوی صاحبان اس آیت کے بعد قرآن کریم کی آیت پڑھ کر (یعنی صغریٰ اور کبریٰ ملا کر) نتیجہ نکالا کرتے ہیں :-

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (پ ۲۹ ملک ع ۱)
برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فریقِ مخالف کا یہ طریقہ کہا کرتا ہے کہ پہلی آیت سے ثابت ہوا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے اور دوسری آیت سے ثابت ہوا کہ اس کے ہاتھ میں تمام ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ خدا اور رسول ایک ہی ہیں اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختارِ کُل اور ہر چیز پر قادر ہیں (اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات)

جوابِ اوّل :- حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس لیے آپ کا ہر کام خدا تعالیٰ کے حکم اور ارشاد سے ہی ہوا کرتا تھا، چونکہ حدیبیہ کے مقام پر آپ نے حکم خداوندی کے مطابق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بات کی بیعت لی کہ وہ راہِ خدا میں شہادت سے گریز نہیں کریں گے تو گویا جنہوں نے بواسطہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانا اور تسلیم کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی، اور اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت نصرت اور مدد دینے میں ان کے ساتھ تھا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت اور حکم برداری کا

"تلازم ثابت ہوا نہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ حقیقتہً خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے (العیاذ باللہ) ۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور جب پہلی آیت کا معنی ہی صاف ہے تو دوسری آیت کو پہلی سے ملا کر وہ نتیجہ نکالنا جو فریق مخالف نے نکالا ہے، تحریف قرآن، زندقہ اور الحاد ہے (عیاذاً باللہ)

جواب دوم :۔ قرآن کریم اور احادیث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ جو آدمی کسی محتاج کو کچھ دیتا ہے تو گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیتا ہے اس کا یہ معنی تو ہرگز نہیں کہ خدا تعالیٰ محتاج اور فقیر ہو گیا (العیاذ باللہ) بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کام سے راضی اور خوش ہے گویا وہ فقیر کو نہیں دیتا بلکہ خدا کو دیتا ہے ہم بطور مثال کے صرف ایک ہی آیت اور ایک ہی حدیث عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ۔ یعنی اللہ کو اچھی طرح قرض دو۔
(پ۲۹، المزمل ع۲)

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز تم برائے خدا فقیر اور محتاج کو دیتے ہو، تو وہ گویا تم خدا کو دے رہے ہو، اس کا یہ معنی تو نہیں کہ وہ فقیر جس کو تم دیتے ہو وہی خدا ہو گیا (نعوذ باللہ)

صحیح مسلم ج۲ ص۳۱۸، مشکوٰۃ ج۱ ص۱۳۴ و مسند احمد ج۲ ص۴۰۴ میں حدیث ہے، حضرت ابوہریرہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے

ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض اولادِ آدم کو کہے گا
کہ میں بیمار ہو گیا تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی؟ بندہ کہے گا اے اللہ!
تو تو رب العٰلمین ہے میں تیری بیمار پرسی کس طرح کرتا، جواب ملے گا، فلاں
میرا بندہ بیمار تھا تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی، اگر تو اس کی بیمار پرسی
کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا (یعنی میں تجھ سے راضی ہوتا اور ثواب
دیتا) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا
طلب کیا، لیکن تو نے مجھے نہ دیا، بندہ کہے گا اے میرے رب! تو تو
رب العٰلمین ہے میں تجھے کس طرح کھلاتا۔ ارشاد ہوگا کہ میرے ایک
بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا، لیکن تو نے اس کو نہ دیا،
اگر تو اس کو دیتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے ابنِ آدم! میں نے
تجھ سے پانی طلب کیا لیکن تو نے مجھے پانی نہ دیا، بندہ عرض کرے گا،
اے بارِ الٰہا! تو خود رب العٰلمین ہے میں تجھے کس طرح پانی پلاتا۔ ارشاد
ہوگا، میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا، لیکن تو نے اس
کو نہ دیا، اگر تو اس کو پانی پلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا، روایت
کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:-

ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیٰمۃ یا ابن آدم مرضت فلم — بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا اے انسان میں بیمار ہو گیا تھا

تعدنی قال یارب کیف اعودك وانت رب العلمین قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ اما علمت انك لو عدتہ لوجدتنی عندہ۔ (الحدیث)

لیکن تو نے میری بیمارداری نہ کی بندہ کہے گا لے اللہ تعالیٰ میں کس طرح تیری بیمارداری کرتا حالانکہ تُو تو رب العلمین ہے، ارشاد ہو تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی خبر گیری نہ کی، اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو یقیناً مجھے اس کے پاس پاتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بیمار کی خبر گیری کرنا یا بھوکے کو روٹی کھلانا، یا پیاسے کو پانی پلانا یہ اس بیمار سے یا بھوکے اور پیاسے سے کچھ نہیں کرنا بلکہ خدا تعالیٰ سے کرنا ہے اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی بیمار ہو جاتا ہے یا بھوکا اور پیاسا ہو جاتا ہے (العیاذ باللہ) لیکن ید اللہ فوق ایدیھم سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو خدا کا ہاتھ کہنے والوں کے نزدیک گویا ہر بیمار خدا ہو جائے گا، ہر بھوکا خدا ہوگا اور ہر پیاسا خدا بن جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذلک قرآن کریم نے نصاریٰ کو اس لیے کافر کہا ہے کہ وہ ابن اللہ مانتے ہیں لیکن ان بریلوی حضرات کے نزدیک منطق بالا کی رو سے تو ہر بیمار، ہر بھوکا اور ہر پیاسا خدا ہو جائے گا اور آج کل اس بیماری اور قحط سالی کے دور میں گویا ہر آدمی خدا کہلائے گا (عیاذاً باللہ) اللہ

تعالیٰ ایسے گندے اور نجس عقیدہ سے محفوظ رکھے، آمین۔

فریقِ مخالف نے اپنے اسی باطل مدعیٰ پر اور بھی کئی آیات پیش کی ہیں (مثلاً ملاحظہ ہو جاء الحق ص ۱۸۴ و مقیاس حنفیت ص ۹۳، اور نور ہدایت ص ۴۷ وغیرہ) مگر ان میں ایک آیت بھی اُن کی دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ مافوق الاسباب کے طور پر ان سے استعانت اور استمداد ثابت ہوتی ہے، اور کسی سمجھدار آدمی کے لیے وہ باعثِ اشکال بھی نہیں ہو سکتیں؛ اس لیے ہم نے اُن کے جوابات کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

ہم نے اختصاراً قرآن کریم کی بعض آیات کا صحیح محمل عرض کر دیا ہے اور فریقِ مخالف کو تسلی بخش جوابات بھی عرض کر دیتے ہیں، ہم نے طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے حضرات مفسرین کرامؒ کے اقوال نقل نہیں کیے۔ اب مخالفین کی پیش کردہ احادیث اور اُن کے جوابات ہدیۂ ناظرین ہوں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

باب پنجم

اس باب میں ہم وہ احادیث نقل کریں گے جن سے فریقِ مخالف نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختارِ کُل ہونے پر استدلال کیا ہے ہم ان احادیث کا صحیح محمل عرض کر کے فریقِ مخالف کے استدلال کی خامی بھی بیان کریں گے، غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث:۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت امیر معاویہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللهُ يُعْطِىْ (مشکوٰۃ ص۳۲)

جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے سوائے اس کے نہیں کہ میں تو بانٹتا ہوں خدا تعالیٰ دیتا ہے۔

فریقِ مخالف کے محدثِ جماعت مولوی محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں "اربعین نبویہ ص۳۵" میں اس حدیث سے متعلق یوں لب کشائی فرماتے ہیں:۔

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا دینے والا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم کرنے والے ہیں، پس جو کچھ کسی کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ رسولِ کریم کی تقسیم سے ملتا ہے یہاں یُعْطِی کا مفعول مذکور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز جس کا دینے والا خدا ہے، اس کی تقسیم کرنے والا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں"۔ انتہٰی بلفظہٖ اور ایسا ہی مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاسِ حنفیت ص ۲۰ میں لکھا ہے۔

جواب اوّل:۔ فریقِ مخالف قرآن کریم کی کوئی آیت اس بات پر کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کے تقسیم کرنے والے ہیں پیش کرنے سے قطعاً ناسر اور یقیناً عاجز ہے، تقسیم رزق وغیرہ پر ان کے پاس صرف یہی حدیث ہے جو صحیح اور ان کے خیال سے صریح الفاظ سے مروی ہے اور یہ مسئلہ اہلِ سنت اور شیعہ سب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ خبرِ واحد اگرچہ کیسی ہی صحیح کیوں نہ ہو اثباتِ عقیدہ کے لیے ناکافی ہے چنانچہ شرح مواقف ص ۲۷۷، شرح فقہ اکبر ص ۶، مسامرہ ج ۲ ص ۸۷، شرح عقائد ص ۱۰۱ اور نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲ میں مذکور ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور مسلمانوں کا جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، محدثین رحمہم اللہ، فقہاء اور اصحابِ اصول رحمہم اللہ داخل ہیں، اس بات پر اتفاق ہے کہ خبرِ واحد صحیح سے عمل تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن علم (یعنی عقیدہ) ثابت نہیں

نہیں ہو سکتا۔ اور قرآنِ کریم کے مقابلہ میں خبرِ واحد کا پیش کرنا تو بالکل باطل ہے۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی الفیوض الملکیہ ص۱۵۲ اور انبار المصطفےٰ ص۱۰ پر لکھتے ہیں کہ عموماتِ آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبارِ آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے۔

آپ قرآنِ کریم کی بے شمار آیات بیجو ان کے اس عقیدہ کی نفی پر دال ہیں صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ایک ہی آیت ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا الآیۃ — ہم ہی نے ان کے درمیان دنیا کی زندگی میں معیشت تقسیم کی ہے۔

(پ۲۵، زخرف، ع۳)

اللہ تعالیٰ نے نَحْنُ کی ضمیر کو مقدم ذکر فرما کر اور قَسَمْنَا ماضی کا صیغہ ارشاد فرما کر یہ بات واضح کر دی ہے۔ کہ ہم نے ماضی ہی میں معیشت اور رزق وغیرہ کی تقسیم کا بندوبست کر دیا ہے اور معیشت کا لفظ بلاریب انسانوں اور حیوانوں کی تمام ضروریات (مثلاً خوراک، پوشاک، پانی، ہوا وغیرہ جن اشیاء پر عالمِ اسباب میں مخلوق کی زندگی موقوف ہے) کی تقسیم بیان کرتا ہے۔ اگر بالفرض حدیث مذکور کا (جو کہ خبرِ واحد میں شامل ہے کیونکہ بندہ کو جہاں تک معلوم ہے یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ صرف

تین حضرات صحابہ کرامؓ سے مروی ہے حضرت امیر معاویہؓ سے جبکہ بخاری و مسلم کے حوالہ سے ان کی روایت گذر چکی ہے، حضرت جابرؓ سے امام حاکمؒ نے مستدرک ج ۲ ص ۲۷۷ میں نقل کی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ سے مستدرک ج ۲ ص ۶۰۴ میں ہے نچلے درجات کا تو کہنا ہی کیا ہے، حضرات صحابہ کرامؓ کے الفاظ بھی آپس میں متفق نہیں الغرض محدثین کرامؒ کی اصطلاح میں یہ حدیث خبر واحد سے اوپر کسی طرح نہیں بڑھ سکتی)۔ مطلب وہی ہوتا ہے جو فریق مخالف نے سمجھا ہے کہ رزق وغیرہ کی تقسیم مراد ہے تو بھی یہ روایت خبر واحد ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی تھی بلکہ خانصاحب کے نزدیک، اس کو قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ آیت کے مقابلہ میں پیش کرنا محض بیہودہ بافی ہوتا۔ اس حدیث کا صحیح مطلب تو عنقریب عرض کر دیا جائے گا (انشاء اللہ العزیز) لیکن اس سے قبل چند ایک حدیثیں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، اسی دن اس نے رحمت اور شفقت کے سو حصے متعین کئے۔

فقسم بینها رحمة بین الخلائق بها تعطف الوالدة	ان سو حصوں میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ رحمت کا تمام مخلوقات میں خود تقسیم فرما

علیٰ ولدھا وبھا یشرب الوحش والطیر الماء وبہ ا ینوا بہم الخلائق فاذا کان یوم القیامۃ قصرھا علی المتقین وزادہ تسعاو تسعین (مستدرک ج۴ ص۲۴۷ قال الحاکم والذہبی علیٰ شرط مسلم)

دیا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ والدہ اپنے بچوں کو شفقت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اسی رحمت کا اثر ہے کہ وحشی جانور اور پرندے پانی پیتے اور اپنے بچوں کو پلاتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے مخلوق آپس میں شفقت کرتی ہے۔ جب قیامت کے دن ہوگا تو اس رحمت کو اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کے لیے وقف کر دے گا اور بقیہ ننانوے حصوں سے بھی ان کو عنایت فرمائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کی بقاء کا دار و مدار جس چیز پر ہے یعنی رحمت اور شفقت اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں تقسیم کر دیا ہے اسی مضمون کی حدیث بخاری اور مسلم میں بھی مروی ہے (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۰۲) اور اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان للہ مائۃ رحمۃ قسم منھا رحمۃ بین اھل الدنیا فوسعتھم

بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں، اس نے ایک ہی حصہ تمام اہل دنیا میں خود تقسیم

الی اٰجالھم واٰخر تسعۃ وتسعین لاولیاءہ (الحدیث) (مستدرک ج۱ ص۵۶ قال الحاکم والذھبی علیٰ شرطھما)

کیا ہے ان کو آغروتن تک وہ کافی ہے اور ننانوے حصّے رحمت کے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی اپنے نیک بندوں کے لیے رکھ چھوڑے ہیں۔

حضرات!! ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رحمت کو تقسیم کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا بھی اس میں کچھ دخل نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے ایک اعرابی صحابی کو اَوَ اَملِكُ لَكَ اَنْ نزع اللہ (الحدیث) سے جواب دیا اور تقسیم اور عدل ازواج کے متعلق بھی صاف فرمایا کہ لا تؤاخذنی فیما تملك ولا املكُ، اگر اس سے مزید بھی سننا چاہتے ہیں تو وہ بھی سن لیجئے کہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بیش کردہ بالاحدیث کی کیا تفسیر بیان فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم وان اللہ یعطی الدنیا من یحب ومن لا یحب ولا یعطی الایمان

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان طرح خود اخلاق تقسیم کر دیئے ہیں جس طرح کہ اس نے تمہارے درمیان رزق تقسیم کر دیئے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ دنیا اس کو بھی دے دیتا ہے جس سے

الا من یحب (مسند احمد و شعب الایمان، مشکوٰۃ ص۴۲۱)

اس کو محبت ہوتی ہے اور اس کو بھی دے دیتا ہے جس سے اس کی محبت نہیں ہوتی، اور ایمان صرف اسی کو دیتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔

اس حدیث کو امام حاکمؒ نے مستدرک ج۱ ص۳۳ ج۲ ص۴۴۷ و ج۴ ص۱۶۵ میں متصل سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور سندات بھی تین ہیں اور ہر سند کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور ناقدِ فنِ رجال علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں اس حدیث میں حرف اِنَّ جو تاکید کے لیے آتا ہے اور لفظ قَسَمَ جو ماضی کا صیغہ ہے ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات واضح سے واضح تر کر دی ہے (کہ کوئی شک و شبہ نہ رہا) کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان رزق تقسیم کر دیا ہے اسی طرح اس نے خود تمہارے درمیان اخلاق بھی تقسیم کر دیئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق کی تقسیم کو اصل قرار دے کر (حرفِ کما) سے اخلاق کی تقسیم کو بطور تفریع ارشاد فرمایا ہے اور آگے اس کی بھی تشریح کر دی ہے کہ دنیا کا معطی (دینے والا) صرف خدا تعالیٰ ہی ہے وہ مومنوں اور کافروں کو بلا تفریق دیتا ہے، اور ایمان دینے والا بھی صرف وہی ہے لیکن وہ صرف اپنے محبوب بندوں کو دیتا ہے وہ ایمان اور ہدایت کافروں، مشرکوں اور اپنے دشمنوں کو کبھی نہیں نوازا کرتا، کیونکہ اس گوہرِ ایمانی کے لیے ان کے دل میں کوئی تڑپ اور آرزو نہیں ہوتی اور

بغیر اس کے وہ دینا نہیں ہے۔

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

اس روایت کو پیش نظر رکھ کر حضرت امیر معاویہ رضؓ کی سابق حدیث کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقاہت اور سمجھ عطا کر دیتا ہے میرا کام تو صرف احکام کو بیان کرنا اور ان کا تمہارے درمیان تقسیم کرنا ہے کہ مالدار کے حصہ میں زکوٰۃ دینا، حج کرنا، قربانی و صدقہ وغیرہ ادا کرنا آتا ہے اور غریب کے حصے میں یہ چیزیں نہیں آتیں، تندرست اور مقیم کے حصے میں فلاں فلاں حکم آتا ہے اور بیمار و مسافر کے حصے میں فلاں حکم آتا ہے، خاوند کے حق میں فلاں حکم ہے اور بیوی کے لیے فلاں امیر لشکر کے لیے فلاں حکم ہے اور فوجیوں کے لیے فلاں، حاکم کے لیے فلاں ہے اور محکوم کے لیے فلاں وغیرہ وغیرہ۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ کی شرح میں علامہ طیبی سے جو مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۳۲ کے حاشیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ پر منجانب اللہ جو کچھ نازل ہوتا تھا، اس کو آپ وحی الٰہی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کرتے تھے اور جیسی شرف و فضل کے وہ اہل تھے اس کی تقسیم نیز غنیمت کی تقسیم یہ سب قاسم کے مفہوم میں داخل ہیں، تو یہ سب کچھ صحیح اور بہاری تائید ہے۔

نہ جیساکہ نور ہدایت ، والے کو غلط فہمی ہوئی (دیکھئے نور ہدایت ص۱۲۱) اسی طرح مرقات ، کا حوالہ بھی ہمارا مویّد ہے نہ کہ ان کا ۔ ملاحظہ ہو مرقات شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۴۰۰ وغیرہ

جواب دوم :۔ محدثین کرامؒ نے یہ حدیث ، باب العلم اور باب الغنیمۃ ، وغیرہ میں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ غنیمت اور علم وغیرہ حقیقتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے ، اور غنیمت کی تقسیم میں بھی آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہر وقت پابند رہتے تھے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت خولہ رض بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجئے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ، اگر خدا تعالیٰ اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں ؟ (اصابہ ج ۸ ص ۔۔) اور شراح حدیث بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں ، چنانچہ نواب قطب الدین خان صاحب مظاہر حق ج۱ ص۸۱ میں لکھتے ہیں ۔

" یعنی میں حدیث وغیرہ بیان کر دیتا ہوں سمجھ اور فکر اور عمل اس پر جتنا جناب باری تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ۔"

طبرانی میں یہ روایت مرفوعاً حضرت امیر معاویہؓ سے یوں مروی ہے :۔

انما انا مبلغ واللہ یھدی و انما انا قاسم واللہ یعطی قال الشیخ حدیث صحیح (السراج المنیر ج۲ ص۴۷)

سو بات یہ ہے کہ میں تو مبلغ ہوں ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور میں تو صرف قاسم ہوں اور دینا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

علامہ عزیزیؒ علامہ مناویؒ کے حوالہ سے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فلا تنکروا التفاضل ای کونی افضل بعضکم علی بعض فانہ بامر اللہ اوالمراد اقسم العلم بینکم واللہ یعطی الفھم من یشاء (شرح جامع الصغیر ج۲ ص۴۷)

یعنی اگر میں تم میں سے بعض کو کم اور بعض کو زیادہ دیتا ہوں تو قابل انکار امر نہیں کیونکہ میں خدا تعالیٰ کے حکم سے ایسا کرتا ہوں یا اس کی مراد یہ ہے کہ میں تو تم میں علم تقسیم کرتا ہوں اور اس کی سمجھ جتنی خدا تعالیٰ چاہتا ہے دیتا ہے

اور علامہ الحفنیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اقسم بینکم ما امرنی اللہ بقسمتہ من اموال الغنائم ونحوھا اوغیرھا کتبلیغ الاحکام (ھامش عزیزی ج۲ ص۴۷)

میں تمہارے درمیان اموال غنائم اور تبلیغ احکام وغیرہا سے جو کچھ تقسیم کرتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔

الغرض علمائے اُمت بھی اس حدیث سے یہی کچھ سمجھتے ہیں، کہ اس

حدیث میں قاسم سے ہر چیز کی تقسیم کرنے والا مراد نہیں ہے بلکہ مالِ غنیمت علم اور احکام وغیرہ کی تقسیم مراد ہے۔

اس حدیث سے صرف یہی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم علم وغیرہ تقسیم فرماتے ہیں، اس پر عمل وغیرہ کی توفیق جنتی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے دے دیتا ہے نہ اس حدیث میں تقسیم اخلاق کا ذکر ہے اور نہ تقسیم رزق کا بلکہ قرآن کریم اور صحیح حدیث کا فیصلہ آپ سُن ہی چکے ہیں کہ اخلاق اور رزق تقسیم کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس میں کسی دوسری ذات اور ہستی کو کوئی دخل نہیں اور یہ خدا تعالیٰ ہی کی صفت ہے کہ جس کو چاہے دے جس سے چاہے چھین لے کیونکہ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اسی کا خاصہ لاریب ہے مگر شرک کا بُرا ہو کہ سمجھنے نہیں دیتا۔

مؤلف نورِ ہدایت کا یہ حیاسوز جملہ بھی ملاحظہ کریں کہ:۔

"بلکہ یہ وجہ بھی ہے کہ حقیقتاً کائنات میں آپ قاسمِ نعم الٰہی ہیں اس پر خود حدیث شاہد ہے۔" (بلفظہٖ صـ۱۲۳)

کونسی حدیث؟ کن الفاظ سے؟ اور کہاں اس میں نعم الٰہی کا ذکر؟ مگر سچ ہے کہ ؏ بے حیا باش وہرچہ خواہی کُن

جواب سوم :- یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام کے مکلّف اور پابندِ شریعت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کسی حکم اور قانون کا پابند نہیں لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔

لیکن گذارش ہے کہ جب اس بد عقیدہ کے بموجب ہر چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تقسیم کرتے ہیں تو کیا آپ پابندِ شریعت ہو کر شراب جھوٹ زنا، چوری، ڈاکہ اور دنیا کی تمام واہیات چیزیں تقسیم کرتے ہیں یعنی شرابی کو شراب تقسیم کر کے دیتے ہیں۔ جھوٹے کو جھوٹ حصّہ رسد دیتے ہیں، افیونی اور چرسی کو افیون اور چرس دیتے ہیں اور مسلمانوں پر تو آپ نے العیاذ باللہ ان ایام میں سخت ظلم کیا کہ بنگال آسام اور مشرقی پنجاب بھی تقسیم کر کے غیر مسلموں کے حوالے کر دیئے تمام مساجد ان کو دے دیں بلکہ مسلمانوں کی بہو بیٹیاں، بہنیں اور بیویاں بھی آپ نے تقسیم کر کے سکھوں اور ڈوگروں کے حوالے کر دیں (العیاذ باللہ) آپ نے تو اس عقیدہ کے بموجب باؤنڈری کمیشن سے بھی زیادہ مسلمانوں پر ظلم وستم کیا (نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ ثم نعوذ باللہ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ)

اب آپ ذرا سوچیں کہ اس عقیدہ کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی طرف نسبت کر کے آپ کی تعظیم لازم آتی ہے یا توہین ہوتی ہے (عیاذًا باللہ) خدا تعالیٰ ایسے بے وقوف مجنوں اور عاشقوں سے بچائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ چونکہ کسی قانون اور حکم کا مکلّف نہیں لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ

دوسری حدیث: صحیح بخاری ص۹۷ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

قال لا یأتی ابن آدم النذر بشیٔ لم اکن قدرتہ۔ فرمایا کہ نذر اور منت ابن آدم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو۔

کوٹلی لوہاراں کے محدث اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر بھی حضور علیہ السلام کے اختیار میں ہے یعنی جو کچھ کسی کی تقدیر میں لکھا ہے وہ حضور علیہ السلام نے ہی مقدّر کیا ہے (اربعین نبویہ ص۳۷) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔

پھر محدّث صاحب یوں بھی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محدّثین اس کو حدیث قدسی بتلاتے ہیں لیکن حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوتی ہے اور اس حدیث کی کسی سند میں تصریح نہیں آئی، کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

جواب اوّل :۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ (پ ۱۹۔ فرقان ع ۱)

اور اللہ تعالیٰ کا اس کے ملک اور سلطنت میں کوئی بھی شریک نہیں اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کو اسی نے مقدر کیا ہے

قرآن کریم کی اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ جو کچھ کسی کی تقدیر میں مقدر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی نے مقدر کیا ہے، اور صحیح مسلم وغیرہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد موجود ہے :۔

كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموٰت والارض بخمسين الف سنة (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹ عن مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل لکھ دیا تھا۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تقدیر کو لکھنے اور مقدر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عامۃ المسلمین ایمان مفصل میں یہ پڑھتے ہیں کہ

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

سب اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

مگر فریق مخالف کے محدث فرماتے ہیں کہ اس کو یوں پڑھنا چاہیئے کہ :۔

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنْ مُحَمَّدٍ رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

سب اچھی اور بری تقدیر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے۔

اگر بالفرض اس حدیث کا وہی معنٰی ہوتا جو محدّث جماعت نے پیش کیا ہے کہ تقدیر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مقدّر کی ہے تو اس کو قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے مقابلہ میں پیش کرنا قاعد جماعت بریلویہ کے نزدیک محض ہرزہ بانی ہوتا ۔ حالانکہ اس حدیث کا وہ معنٰی ہرگز نہیں جس کو محدّث جماعت نے پیش کیا ہے ۔

جواب دوم :- جمہور محدّثین اس حدیث کو حدیث قدسی بیان کرتے ہیں اور محدّثین کرام کے نزدیک یہ ایک اتفاقی امر ہے لیکن محدّث جماعت پر بڑا تعجب آتا ہے کہ انھوں نے بخاری شریف کا ایک نسخہ تو لے لیا ہے اور دوسرے نسخہ کی طرف مراجعت کرنے کی ذرا بھی تکلیف گوارا نہیں کی، بخاری شریف میں دو نسخے ہیں، ایک نسخہ میں ہے لم اکن قدّرتہٗ جو میں نے انسان کے لیے مقدّر نہ کیا اور دوسرا نسخہ یہ ہے لم یکن قدّر لہٗ جو چیز ابنِ آدم کے لیے مقدّر نہ کی گئی ہو ۔

محدّث صاحب نے پہلا نسخہ تو لے لیا ہے کیونکہ اس سے ان کا باطل مدّعا ثابت ہوتا ہے اور دوسرے نسخے کو بیان تک نہیں کیا تاکہ ان کی محدّثیت کی قلعی نہ کھل جائے حالانکہ دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسرے نسخہ کو بھی لکھ دیتے مگر شرک اور بدعت کا خدا ستیاناس کرے کہ حق بات کہنے نہیں دیتے

جواب سوم :- یہی روایت صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴ اور مستدرک ج ۱ ص ۳۱ میں

مروی ہے جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں۔

ان النذر لا یقرب ابن آدم شیئاً لم یکن اللہ عزوجل قدرہ لہ۔ کہ نذر اور منت ابنِ آدم کو کسی چیز کے قریب نہیں کر سکتی جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کیلیے مقدر نہ کی ہو۔

لیجئے اس حدیث میں صاف طور پر اس کی تصریح موجود ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے مقدر نہ کی ہو، نذر اور منت سے وہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ محدث جماعت نے بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس حدیث کی کسی سند میں اس کی تصریح نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ ہے فریقِ مخالف کے چوٹی کے فقیہہ اور محدث کا استدلال۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

تیسری حدیث:۔ محدث جماعت نے ابوداؤد ج۱ ص۶۱ کی حدیث نقل کی ہے، عبداللہؒ بن فضالہؓ نے اپنے باپ فضالہؓ بن عبید سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو معلومات میں نے حاصل کیئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ نے فرمایا، پانچوں نمازوں کی حفاظت کرنا، میں نے کہا حضرت میں تو دنیا کے گورکھ دھندوں میں مبتلا رہتا ہوں شاید مجھ سے پانچ نمازوں کی حفاظت نہ ہو سکے آپ نے فرمایا پھر صبح اور عصر کی نماز کی پوری پابندی کرنا، محدث جماعت فرماتے

ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں پانچ نمازوں کی تاکید تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی کو صرف دو نمازوں کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا وسیع اختیار تھا جو چاہتے فرما دیتے۔

جواب اوّل:۔ اس حدیث کی سند میں داؤدؒ بن ابی ہندؒ نامی راوی ہے جو اگرچہ بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہے، لیکن امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ وہ کثیر الاضطراب اور کثیر الخلاف تھا یعنی دیگر رواۃ کی مخالفت کرتا تھا، اسانید اور متون دونوں میں (تہذیب ج۳ ص۲۰۴) اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث کی سند میں اختلاف ہے (تہذیب ج۸ ص۲۹۹)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اثبات عقیدہ کے لیے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہوتی ہے چہ جائیکہ جس حدیث کی سند میں کلام ہو اور ہو بھی وہ قرآن مجید کے مقابلہ میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلوٰۃِ الْوُسْطٰی — کہ تمام اور ساری نمازوں کی پابندی کرو اور خصوصاً عصر کی جو درمیانی نماز ہے

اس آیت میں تمام مسلمانوں کو ساری نمازوں کی پابندی کا حکم ہے تو اس کے مقابلہ میں خبر واحد کیونکر حجت ہو سکتی ہے؟ اور اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختار کل ثابت کرنا قرآن مجید اور احادیث

متوازنہ کے ساتھ کھلی بغاوت ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے،
بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ   تمام تر اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ

میں ہیں،

اس کا کوئی شریک اور متنازع فیہ معنیٰ میں مختارِ کُل نہیں ہے۔

جوابِ دوم: ۔ اس حدیث میں یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صحابی کو تین نمازیں معاف کر دی گئیں اور صرف دو رہ گئی تھیں آخر قرآنِ کریم میں صلوٰۃِ وسطیٰ کی مزید تاکید فرمائی گئی ہے، اور احادیث میں عصر وغیرہ کی نماز کے بارہ میں تاکید آئی ہے، اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اس کو اپنے وقت اور دیگر شرائط کے ساتھ ادا کرو، ایسا نہ ہو کہ سورج غروب ہو رہا ہو اور تم منافق کی طرح سُستی اور کاہلی کے ساتھ دیر کر کے جلدی جلدی نماز پڑھنے جاؤ۔ تو جس طرح قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے عصر کی نماز کی خاص طور پر پابندی سے دیگر نمازوں کی معافی کا سمجھنا غلط اور باطل ہے، اسی طرح اس حدیث سے دو نمازوں کی پابندی سے باقی نمازوں کی معافی سمجھنا بھی باطل ہے چونکہ صبح اور عصر کی نماز کے وقت نگران فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بندوں کی ڈائریاں پیش کرتے ہیں اس لئے ان دو نمازوں کی تاکید مزید وارد ہوتی ہے تاکہ سرکاری گواہوں کی شہادت سے انسان محروم نہ ہو جائے۔ الغرض صبح اور

عصر کی نماز کی خصوصیت سے پابندی اور محافظت سے دوسری نمازوں کی معافی مراد لینا قطعاً باطل اور سراسر غلط ہے۔

چوتھی حدیث:۔ محدثِ جماعت اربعین نبویہ میں اور محدث گجھوچھوی (التحقیق البارع ص۳ میں) ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوکر اس شرط پر مسلمان ہوا کہ میں صرف دو نمازیں پڑھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا تھا، کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کل تھے، یہ حدیث مسندِ احمد ج ۵ ص۲۵ ص۳۶۳) اور طبقات ابن سعد (ج۷ ص۵۶ قسم اول) میں مذکور ہے، فریق مخالف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار تھا کہ جس کو چاہیں اور جس حکم سے چاہیں مستثنےٰ فرما دیں اور مختارِ کل سے بھی یہی مراد ہے۔

جواب اول:۔ اس حدیث کی (جہاں تک مجھے علم ہے) تمام اسانید میں عن رجل منھم انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ اب آیئے کہ ہم محدثینؒ کے اقوال دیکھیں جن سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ عن رجل من الصحابۃؓ جس سند میں موجود ہو وہ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

ا۔ توجیہ النظر ص۱۶۶/۲۲۶ اور التنقیح والایضاح ص۱۲۵ میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں منافق اور مرتد بھی ہوتے تھے اور جس روایت میں راوی یہ کہے کہ عن رجل من الصحابۃ یا عمّن سمع رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یا عن رجل منہم) تو ایسی سند اور حدیث قابلِ قبول نہیں تاوقتیکہ وہ راوی اس کا نام نہ بتلائے اور جب تک کہ اس کا صحابی ہونا معلوم نہ ہو جائے اس کی بات توجہ اور التفات کے قابل ہی نہیں۔

ب۔ امام نوویؒ مقدمہ مسلم ص۱۹ میں اور حافظ ابنِ حجر شرح نخبۃ الفکر ص۱۳ میں اور علامہ جزائری توجیہ النظر ص۱۷۵ میں اور امام حاکمؒ معرفت علوم الحدیث ص۶۲ میں صحیح حدیث کی یہ تعریف لکھتے ہیں۔ واللفظ للاٰخر۔

وصفۃ الحدیث الصحیح ان یرویہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابی زائل عنہ اسم الجہالۃ

صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا صحابی روایت کرے جو مجہول نہ ہو۔

الغرض جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ صحابی کا کیا نام تھا، آیا صحابی تھا یا منافق یا مرتد (العیاذ باللہ) تو اس وقت تک وہ حدیث صحیح نہیں کہلا سکتی، اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس کا فلاں نام ہے اور وہ واقعی صحابی ہے تو پھر کسی کو ان پر جرح کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ الصحابۃ

کالمجہول۔

ج۔ امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ ج۱ ص۱۹۰ میں اور علامہ خطابیؒ نے معالم السنن ج۱ ص۱۱۹ میں اور امام ابن حزمؒ نے محلّی ج۳ ص۲۱۶ و ج۲ ص۳۳۵ میں اور نواب صدیق حسن خانؒ نے مسک الختام ج۱ ص۳۴ میں اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص۲۱۵ میں اور علامہ عراقیؒ نے الیضاح ص۵۵ میں رجل من الصحابۃؓ کی سند پر کلام کیا ہے اور ایسی سند کو مجہول کہا ہے۔

د۔ جب تک دلائل اور براہین سے یہ نہ ثابت ہو جائے کہ عن رجل منھم کون تھا؟ کیسا تھا؟ صحابی تھا یا منافق یا مرتد؟ تو ایسی حدیث ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی، بلکہ مجہول اور مستور ہوگی، ایسی حدیث سے اعمال کا ثابت کرنا بھی صحیح نہیں چہ جائیکہ ایسی حدیث سے قرآنِ کریم اور احادیث متواترہ کے مقابلہ میں عقیدہ ثابت ہو سکے۔

۲۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ (الآیہ) اور دیگر متعدد صریح آیات قطعی طور پر یہ ثابت کرتی ہیں کہ خدائی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ اس نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا تو ایسی احادیث سے اس کا رد کیسے ہو سکتا ہے؟

جوابِ دوم:۔ اس حدیث میں تو اس کا ذکر تک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو باقی تین نمازیں معاف کر دی تھیں بلکہ اس کا

ذکر ہے کہ اس شخص نے کہا کہ میں مسلمان اس شرط پر ہونا چاہتا ہوں کہ صرف دو نمازیں پڑھوں گا، چونکہ اسلام قبول کرنا افضل ترین عبادات میں داخل ہے، اور نماز وغیرہ تمام عبادات پر مقدم ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی اختیار کی کہ پہلے مسلمان ہو جائے، پھر یہ خود بخود انشاء اللہ پانچوں نمازیں پڑھتا رہے گا اور اگر پہلے ہی اس کو پانچ نمازیں منوائی جائیں تو ممکن ہے کہ یہ اسلام ہی سے نہ بھاگ جائے اور مسلمان ہونے کے بعد وہ نماز جیسی بہترین عبادت کو کبھی ترک نہ کرے گا اور جہاں لوگ پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہاں آپؐ نے اس قسم کی کوئی شرط قبول نہیں فرمائی، چنانچہ قبیلۂ ثقیف جب مسلمان ہو کر آیا اور نماز کی معافی کا انہوں نے مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کیا بھلائی ہو سکتی ہے؟ چنانچہ مسند طیالسی صؔ ۱۲۶ میں ہے۔

ولا خیر فی دین لیس فیہ رکوع — یعنی جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کیا بھلائی ہو سکتی ہے؟

غرضیکہ ان کو نماز معاف نہ ہوئی۔

اور ایک روایت میں ہے:-

ولا خیر فی دین لا صلوٰۃ فیہ — جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کیا بھلائی ہو سکتی ہے؟
(البدایۃ والنہایہ جؔ ۵ صؔ ۳۰)

ابوداؤد شریف ج۲ صـ۷۷ کی روایت میں ہے کہ قبیلہ بنو ثقیف نے یہ شرط بھی پیش کی کہ ہم مسلمان تو ہوتے ہیں مگر نہ تو زکوٰۃ دیں گے اور نہ جہاد کریں گے۔ آپ نے اس کے بعد فرمایا۔

سیتصدقون ویجاھدون اذا اسلموا (البدایہ والنہایہ ج۵ صـ۳۰) یہ جب مسلمان ہو گئے تو زکوٰۃ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔

اسی طرح حضرت بجیرہؓ بن عامر فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور یہ درخواست کی کہ ہم سے عشاء کی نماز معاف کر دیجئے کہ اس وقت ہم اونٹنیوں کا دودھ دوہا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، انشاء اللہ تم دودھ بھی دوہو گے اور نماز بھی پڑھو گے (مجمع الزوائد ج۱ صـ۲۹۴) غرضیکہ جو لوگ پہلے مسلمان ہو چکے تھے ان کو نماز معاف نہ ہو سکی۔

پانچویں حدیث:۔ بعض حضرات وہ حدیث پیش کیا کرتے ہیں جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تحریم مکہ کی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تحریم مدینہ کی نسبت آئی ہے ان ابراھیم حرم مکۃ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم کر دیا، وانی حرمت المدینۃ اور میں نے مدینہ کو حرم بنا دیا ہے۔

جواب:۔ صحیح بخاری ج۱ صـ۲۵۲ اور مسلم ج۱ صـ۴۳۷ وغیرہ میں مذکور ہے۔

ان مَکّۃَ حَرَّمَہَا اللہُ وَلَمْ یُحَرِّمْہَا النَّاس (الحدیث)

کہ مکّہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا۔

اور حرم مدینہ کے بارہ میں صحیح بخاری ج۱ ص۲۵۱ و مسلم ج۱ ص۴۴۲ وابن ماجہ ص۲۳۲ اور مستدرک ج۴ ص۵۴۲ اور مسند احمد وغیرہ میں ہے (واللفظ للبخاری) حُرِّم ما بین لابتی المدینۃ علیٰ لسانی یعنی مدینہ کے دو سنگستانوں کے مابین کی حرمت کا میری زبان سے اعلان کرایا گیا ہے اور مسند احمد میں ہے۔

ان اللہ حَرَّمَ علیٰ لِسَانِیْ۔ (الحدیث)

اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے اس کو حرام کیا ہے۔

اور حافظ بدرالدین عینی حنفیؒ (عمدۃ القاری ج۱ ص۵۴۹) میں لکھتے ہیں کہ تحریم کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام (وغیرہ) کی طرف اس معنی میں ہے کہ انہوں نے اس کی حرمت کو بیان فرمایا ہے اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"اسناد تحریم بابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید و اعلام کرد حکم الٰہی زیرا کہ حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ است و حکم وے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تحریم کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا ہے کیونکہ شرائع و احکام کا حاکم خدا تعالیٰ ہے اور اس کا حکم

قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانندہ آں احکام اند۔	قدیم ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ان احکام کو پہنچانے والے ہیں"۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۲۸)

چھٹی حدیث:۔ صحاح میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ کے درختوں اور کانٹوں کی نسبت فرمایا کہ ان کا کاٹنا حرام ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اذخر (ایک قسم کی گھاس ہے) کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست کی چنانچہ آپ نے اس کو مستثنیٰ کر دیا۔ مخالفین کا کہنا ہے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار مطلق نہ تھے تو آپ نے اذخر کو کیوں مستثنیٰ کیا؟ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کُل تھے۔

جوابِ اوّل:۔ ارشاد ربانی یہ ہے کہ:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (پ ۲۷، نجم، ع ۱)	اور ہمارا پیغمبر اپنے جی سے نہیں بولتا جو فرماتا ہے اللہ کی طرف سے وحی پا کر فرماتا ہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا سے وحی پا کر احکام بیان فرمایا کرتے تھے اور دارمی ص ۷۷ اور فتح الباری ج ۳ ص ۲۲۸ میں حضرت حسان بن عطیہ رحمہ اللہ تابعی سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت جبرائیل علیہ السلام جس طرح قرآن لایا کرتے تھے، اسی طرح وہ احکام بھی لاتے تھے جو حدیث (نبوی)

میں بیان ہوتے ہیں، بلکہ مشکوٰۃ ص۲۹ میں ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی (اور موارد الظمآن ص۵۵) وغیرہ کی روایت سے مروی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ جس طرح مجھے اللہ کی طرف سے قرآن عطا ہوا ہے اسی طرح حدیث بھی ملی ہے (او کما قال) تو جب یہ اصول و قاعدہ ہمارے پاس موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو احکام اپنی اُمت کو دیا کرتے تھے وہ وحی الٰہی ہی سے ہوتے تھے، تو پھر آپ کو مختارِ کُل کہنا بالکل بے دینی اور تحریفِ شریعت ہے رہا آپ کا اجتہاد، تو وہ بھی حق اور وحی کی ایک قسم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خطاء پر آپ کو ہر گز برقرار نہیں رکھا۔ اس مسئلہ کی مزید با حوالہ تشریح ازالۃ الریب اور راہِ ہدایت میں ملاحظہ ہو۔

جوابِ دوم: ۔ اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ ج۱ ص۴۳۸ میں لکھتے ہیں کہ

ھذا محمول علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اوحی الیہ فی الحال باستثناء الاذخر۔	یہ اس بات پر مبنی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اذخر کے بارہ میں اسی وقت وحی نازل ہوئی تھی۔

رہی یہ بات کہ اتنی جلدی وحی آ کیسے گئی؟ تو اس کا جواب امام طحاوی حنفیؒ نے مشکل الآثار ج۲ ص۲۱۲ میں اور علامہ ابو المحاسن دمشقیؒ نے المعتصر ص۱۲۳ میں یہ دیا ہے کہ اتنے فوری طور پر وحی کے نازل ہونے کا

وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو ملحد اور زندیق ہو گا۔

اسی طرح حافظ ابنِ حجرؒ فتح الباری جؒ ص۳ میں اور علامہ عینیؒ عمدۃ القاری جؒ ص۱۸ میں لکھتے ہیں کہ جو شخص نزولِ وحی میں ممتد زمانہ کا قائل ہے وہ وہم کا شکار ہے۔

فائدہ :- یہی جواب ہماری طرف سے مندرجہ ذیل احادیث کا سمجھ لیجئے۔

ا- کہ جب حج فرض ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اعلان فرمایا تو ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر میں (وحی پا کر) ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا۔

ب- چھ ماہ کی بکری کی قربانی جائز نہیں، لیکن صحاح ستہ میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہؓ کے لیے چھ مہینے کی بکری کی قربانی جائز قرار دی۔

ج- شریعت نے دو مردوں کی گواہی کو حجت قرار دیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا حضرت خزیمہؓ بن ثابت انصاری کی گواہی دو مردوں کے قائمقام ٹھہرائی وغیرہ وغیرہ

ان سب کا جواب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وحی پا کر ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، آپ نے بحکمِ خدا

حضرت ابو بردہؓ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی کی اجازت دی اور حکم خداوندی پا کر حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے قائمقام ٹھہرایا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں فرمایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی وحی اور حکم ہی سے فرماتے تھے عام اس سے کہ وحی حقیقی ہو یا حکمی (جو اجتہاد سے ہوتی تھی) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

ساتویں حدیث:۔ ایک روایت آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نوحہ (بین کرنا) سب کے لیے حرام تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امّ عطیہؓ کے لیے ایک جگہ نوحہ کرنے کی اجازت دی۔ اس روایت کی شرح میں فریق مخالف امام نوویؒ کا یہ قول بھی نقل کیا کرتا ہے۔ وللشارع ان یخص من العمومات ماشاء اوکما قال کہ شارع کو حق پہنچتا ہے کہ عمومات میں سے جو چاہے خاص کر لے

جواب:۔ اس روایت سے حضرت امّ عطیہؓ کی خصوصیت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختار کل ثابت کرنا مندرجہ ذیل دلائل کے رو سے باطل اور غلط ہے۔

۱۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۱ میں اور زرقانی نے شرح مواہب ج ۵ ص ۳۲۵ میں اور حافظ بدرالدین حنفی نے عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۰

میں اس حدیث کا بہترین جواب یہ دیا ہے کہ نوحہ پہلے مباح تھا، پھر مکروہ تنزیہی ہوا اور اسی اثناء میں حضرت امّ عطیہؓ وغیرہ کو اجازت ملی پھر نوحہ بالکل حرام ہو گیا اور اس پر وعید شدید نازل ہوئی۔

ب۔ یہ تمام اکابر امام نوویؒ کی تغلیط کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت امّ عطیہؓ کو نوحہ کی اجازت اس وقت نہیں ملی جب نوحہ حرام ہو گیا تھا بلکہ اجازت اس وقت ملی تھی جب کہ نوحہ مکروہ تنزیہی تھا۔

ج۔ جب یہ بات طے شدہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر لوگوں کو احکام بتلایا کرتے تھے تو جو چیز اللہ تعالیٰ خاص کر دیتا تھا اس کو آپ بیان فرما دیا کرتے تھے، اپنی طرف سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا کرتے تھے۔

د۔ نوحہ کی اجازت صرف امِ عطیہؓ کو نہیں ملی تھی بلکہ بعض اور بیبیوں کے لیے بھی نوحہ کی اجازت منقول ہے (فتح الباری و زرقانی)

ہ۔ امام نوویؒ کے قول وللشارع سے علی التعیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو مراد لینا باطل ہے کیونکہ حقیقۃً شارع تو اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جو چاہے سو کرے مقدمہ میں اس کی پوری بحث گزر چکی ہے ہاں مجازی طور پر آپ کو شارع کہنا جائز اور صحیح ہے اور اسی معنی میں امام نوویؒ وغیرہ یہ لفظ استعمال کر رہے ہیں اور نزاع اہلِ بدعت

سے مجازی معنی میں نہیں حقیقی میں ہے۔

آٹھویں حدیث:۔ صحاح وغیرہ میں ایک روایت آتی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ رمضان مبارک میں ایک صحابی نے اپنی بیوی سے دن کے وقت جماع کر لیا تھا، اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ میں اب کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ غلام آزاد کرو، وہ کہنے لگا کہ میرے پاس نہ غلام نہ غلام خریدنے کی رقم۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر ساٹھ روزے رکھو۔ اس شخص نے اس سے بھی معذوری کا اظہار کیا، آپؐ نے فرمایا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ اس نے کہا مجھے اس کی بھی استطاعت نہیں، آپؐ نے فرمایا، اچھا بیٹھو! اتنے میں ایک شخص (پندرہ صاع) (ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) کھجوریں لایا، آپ نے فرمایا یہ کھجوریں لے لو اور ان کو صدقہ کر دو۔ وہ صحابی بولا کہ مدینہ بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں، تب آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کے لوگوں کو کھلا دو، تمہارا کفارہ ادا ہو گیا۔

فریقِ مخالف نے اس روایت کو پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس شخص سے کفارہ ساقط کر دیا تھا، تو آپ مختارِ کُل ہوئے۔

جواب:۔ آپ مندرجہ ذیل اُمور پر غور اور فکر کے ساتھ نگاہ ڈالیے

اور پھر غور فرمایئے کہ حقیقت کیا ہے۔

ا۔ یہ حدیث مندرجہ ذیل کتبِ احادیث میں موجود اور مروی ہے
بخاری ج ۱ ص ۲۵۹، مسلم ج ۱ ص ۳۵۵، ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۳، ترمذی ج ۱ ص ۹۰، ابن ماجہ ص ۱۲۱، موطا امام مالک ص ۹، طحاوی ج ۱ ص ۳۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۸، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۲۷، تلخیص الحبیر ص ۱۹۵ اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۶ وغیرہ لیکن ان میں سے کسی کی روایت میں یہ جملہ نہیں کہ جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا۔

ب۔ زہریؒ سے یہ جملہ منقول ہے کہ جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا، اور تیرے سوا کسی کو بھی یہ جائز نہیں لیکن علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۵۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں مجھے نہیں مل سکے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ حدیث کے کسی طریق اور سند میں موجود نہیں۔ (الدرایہ ص ۱۷۵) علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ کا یہ قول کہ یہ (سقوطِ کفارہ) اس شخص کی خصوصیت تھی اور یہ محض اس کے لیے اجازت تھی تو یہ نرا دعوٰی ہے اور اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی (زیلعی ج ۲ ص ۴۵۳ و فتح القدیر ج ۲ ص ۷۰)

شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ اطعمہ اھلک کے جملہ کی کئی توجیہات نقل کرتے ہیں، ایک یہ کہ:۔

منها ان خاص بهذا الرجل الخ سقوطِ کفارہ اس شخص کے ساتھ خاص تھا الخ

اور دوسری یہ کہ :-

منہا ادعاء انہ منسوخ وھذا ن ضعیفان اذ لا دلیل علی التخصیص ولا علی النسخ الخ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے، مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں کیونکہ نہ تو تخصیص پر کوئی دلیل موجود ہے اور نہ نسخ پر۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ الاقرب یہ ہے کہ :-

تکون الکفارۃ مرتبۃ فی الذمتہ اذ ثبت وجوبا فی الحدیث الخ (احکام الاحکام ج۲ ص۱)

کفارہ اس کے ذمہ واجب تھا، کیونکہ اس کا وجوب حدیث سے ثابت ہے الخ

اور مُلا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کی خصوصیت تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول قابلِ التفات نہیں ہیں کیونکہ ان پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے - اذ لا دلیل علیہما (مرقات) ھامش مشکوٰۃ ج۱ ص۱۷۷) اور امام نوویؒ نے بھی ان توجیہات کو شرح مسلم ج۱ ص۳۵۴ میں ضعیف کہا ہے۔

الغرض نہ تو یجزئک ولا یجزئ احدا بعدک کے الفاظ فنِ روایت کی رو سے ثابت ہیں اور نہ امام زہریؒ کے تخصیص والے قول کو اکثر نے قبول کیا ہے جن حضرات نے تخصیص کا دعویٰ کیا ہے

تو اس کی ایک دلیل امام زہریؒ کا یہ قول بھی تھا ۔ لہٰذا تخصیص کا قول
واقعی بلا دلیل ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ۔

ج ۔ دارقطنی ج۱ ص۲۵۱ میں حضرت علیؓ کی روایت میں یہ جملہ موجود ہے
فقد کفر اللہ عنک کہ اللہ نے تیرا کفارہ ساقط کر دیا ہے لیکن اس
حدیث کی سند میں منذر بن محمد نامی ایک راوی ہے علامہ ذہبیؒ میزان الاعتدال
ج۳ ص۲۰۲ میں لکھتے ہیں کہ قوی نہیں ہے ۔ اور امام دارقطنیؒ نے بھی اس
کی تضعیف کی ہے اور حافظ ابن حجرؒ بھی فقد کفر اللہ عنک کی زیادت
کو ضعیف قرار دیتے ہیں (تلخیص الحبیر ص۱۱۱ و فتح الباری ج۴ ص۱۳۴) علاوہ
ازیں یہ جملہ ضعیف ہونے کے علاوہ مخالفین کو مفید بھی نہیں کیونکہ اس میں
اس کی تصریح موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا کفارہ ساقط کر دیا ہے ، تو
اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختارِ کل ثابت کرنا باطل اور
غلط ہوا ۔

د ۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج۴ ص۱۳۴ میں اور حافظ بدرالدین عینیؒ عمدۃ
القاری ج۵ ص۲۵ میں اور امام نوویؒ شرح مہذب ج۶ ص۳۴۴ اور شرح مسلم ج۱
ص۳۵۴ میں اور علامہ ماردینیؒ الجوہر النقی ج۱ ص۳۱۴ میں اور شمس الائمہ سرخسیؒ
مبسوط ج۳ ص۷۱ میں اور حافظ ابن ہمامؒ فتح القدیر ج۲ ص۷۰ میں اور شمس الحق
عظیم آبادیؒ عون المعبود ج۲ ص۲۸۷ میں تاخیر کفارہ کا ذکر کرتے ہیں اور

علامہ عثمانیؒ فتح الملہم جلد ۳ ص ۱۲۳ میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ اس شخص سے جمہور کے نزدیک کفارہ ساقط نہیں ہوتا، چونکہ وہ بھوکا اور محتاج تھا، اس لیے اس وقت اس کو مہلت مل گئی کہ جب ہو ادے دے گا اور فی الحال ان کھجوروں سے اپنا وقت پاس کرلے۔

"دل کا سرور" میں خط کشیدہ جملہ کتابت سے چھوٹ گیا تھا جس کی وجہ سے مؤلف "نور ہدایت" کو یوں ہی بلاوجہ فتح القدیر وغیرہ کی عبارات میں خیانت کرنے کا الزام تراشنا پڑا اور خوب دل کھول کر جلی کٹی سنانے پر تل آئے، جو اہل علم اور منصف مزاج لوگوں کی شان سے بالکل بعید ہے خط کشیدہ جملہ کو ملاحظہ کرلیں اور پھر بنظرِ انصاف دیکھیں کہ کیا ان کتابوں میں تاخیر کفارہ کا ذکر موجود ہے یا نہیں؟ باقی ان میں سے بعض حضرات کا ذاتی نظریہ اور رمیلان کیا ہے؟ تو اس کا دِل کا سرور میں سرے سے کوئی سوال ہی نہیں اُٹھایا گیا تھا، مؤلف "نور ہدایت" کا یہ کہنا کہ سقوطِ کفارہ جمہور کا قول نہیں، یہ یونہی لکھ دیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذیل کی چند عبارات ملاحظہ کرلیں، اور پھر لب کشائی فرمائیں کہ کیا اکثر علماء اور جمہور کا یہ قول ہے یا نہیں؟

۱۔ علامہ عثمانیؒ نقل کرتے ہیں کہ:۔

وقال الجمهور لا تسقط الكفارة جمہور کہتے ہیں کہ تنگدستی کی وجہ سے کفارہ

بالاعسار والذی اذن لہ فی التصرف لیس علیٰ سبیل الکفارۃ اھ (فتح الملہم ج۳ ص۱۳۳)	ساقط نہیں ہوتا اور جس شخص کو تصرف کرنے کی اجازت دی گئی تھی تو وہ بطور کفارہ نہ تھی۔

یہ جمہور کا قول نقل کیا گیا ہے اور دل کا سرور ہیں اس کا حوالہ درج ہے مگر تعصب کا خدا برا کرے کہ وہ حق کے سمجھنے سے مانع ہوتا ہے، اس حوالہ کو مؤلف نور ہدایت غالباً شربت صندل سمجھ کر پی گئے ہیں اور اس کا نام تک نہیں لیا یا شاید شبیر ِمادری سمجھ لیا ہو۔

۲۔ علامہ ابنِ رشد المالکیؒ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فان الجمھور علیٰ ان الواجب علیہ القضاءؔ والکفارۃ لما ثبت من حدیث ابی ھریرۃؓ انہ جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلکت یارسول اللہ الخ (بدایۃ المجتہد ج۱ ص۲۹۷)	جمہور اس کے قائل ہیں کہ اس شخص پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے اس شخص کو یہی حکم دیا تھا جس نے کہا تھا کہ حضرت میں تو ہلاک ہوگیا ہوں الخ (محصلہ)

۳۔ شیخ الاسلام ابنِ دقیق العیدؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

جمھور الامۃ علیٰ ایجاب الکفارۃ بافطار المجامع عامداً الخ	جمہور امت اس پر متفق ہے کہ عمداً جماع کرکے روزہ افطار کرنے والے پر کفارہ لازم ہے۔

(احکام الاحکام ج۲ ص۸) واجب ہے۔

۴۔ امام نوویؒ اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے اور یہ تشریح کرتے ہوئے کہ وبقیت الکفارۃ فی الذمۃ آگے لکھتے ہیں کہ :۔

فھذا الذی ذکرنہ من تأویل الحدیث ومعناہ ھو الصواب الذی قالہ المحققون والاکثرون (شرح مھذب ج ۶ ص ۳۴۳) اس حدیث کا جو مطلب اور معنیٰ میں نے بیان کیا ہے وہی صحیح ہے اور محققین اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

۵۔ حضرت ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ :۔

فلما تصدق علیہ صار قادرا امرہ بالاطعام وھو قول اکثر العلماء و اظھر قولی الشافعیؒ فلما ذکر حاجتہ اخرہ علیہ الی الوجداہ (مرقات علیٰ ھامش مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۶) جب اس پر صدقہ کیا گیا اور وہ قادر ہو گیا تو اس کو کفارہ ادا کرنے اور کھلانے کا حکم دیا گیا اور یہی اکثر علماء کا قول ہے اور امام شافعیؒ کا ظاہر قول بھی یہی ہے مگر جب اُس شخص نے اپنی حاجت کا ذکر کیا تو اس کا کفارہ اس کے قادر ہونے تک موخر کر دیا گیا (محصلہ)

۶۔ اور حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ القول القویم زیادہ درست بات صرف یہی ہے کہ جب اُس شخص نے اپنی حاجت کا ذکر کیا تو۔

جعلہ فی فسحۃ منہ حتی یجد ما یؤدیہ (لمعات بحوالہ ھامش بخاری ج ۱ ص ۲۶۰) اس کو اس کی گنجائش دے دی گئی کہ جب ہو گا تو ادا کرے گا۔

ان عبارات میں اکثر علماء محققین اور جمہور اُمت کا یہی قول بتایا گیا ہے کہ اس شخص سے کفارہ ساقط نہیں ہوا اور اُسی کو امام نوویؒ الصواب اور شیخ عبدالحقؒ القول القویم کہتے ہیں، چونکہ ان حضرات کے نزدیک یجزئک ولا یجزئ احدًا بعدک کی زیادت ثابت نہیں، نیز امام زہریؒ کا قول بھی ان کے نزدیک معمول بہ نہیں اس لیے یہ اکابر اس روایت سے اس شخص کے لیے بھی اور دیگر اشخاص کے لیے بھی یہی سمجھے ہیں کہ کفارہ ساقط نہیں ہوتا اور نہ ہوا ہے، ہاں معذوری کی وجہ سے اس کو مہلت ضرور مل گئی تھی اور یہی منصور قول ہے۔

حافظ ابن ہمامؒ کا ذاتی نظریہ یہ ہے کہ اُس شخص سے بقولِ امام زہریؒ کفارہ ساقط ہو گیا تھا اور یہ اس شخص کی خصوصیت تھی مگر چونکہ حسبِ تصریح محدثین کرامؒ نہ تو امام زہریؒ کا قول بادلیل ہے اور نہ زیادت مذکورہ ہی صحیح ہے، اس لیے بالآخر حافظ ابن ہمامؒ بھی صاف الفاظ میں لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:۔

قلنا ان لم یثبت ھذہ الزیادۃ فغایۃ الامرانہ اخرہ عنہ الی المیسرۃ اذ کان فقیرًا فی الحال۔ (فتح القدیر ج۲ ص۷۲)	ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ زیادت ثابت نہ ہو اور واقعی یہ ثابت نہیں ہے، صفدر) تو آخری بات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص سے کفارہ اس کے فقر و فاقہ کے پیشِ نظر مؤخر کر دیا گیا تھا۔

مؤلف نورِ ہدایت کو یہ عبارت بار بار پڑھنی چاہیئے اور پھر اپنی دیانت اور انصاف کا بھی جائزہ لینا چاہیئے کیونکہ ع

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

اور امام سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یجزئك ولا یجزئ احد بعدك کی زیادت بھی مروی ہے، اگر یہ زیادت ثابت ہو جائے تو نظر بہ ظاہر یہ اس شخص کی خصوصیت ہو جائے گی، اور اگر یہ زیادت ثابت نہ ہو تو اس سے کفارہ کا سقوط اور منسوخیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

ولکنہ عذرہ فی التاخیر للعسرۃ الخ — لیکن اس شخص پر تنگدستی کی وجہ سے کفارہ موخر کر دیا گیا تھا۔ (مبسوط ج۳ ص۷۱)

ان صریح عبارات کو دیکھ کر مؤلف نور ہدایت پر لازم ہے کہ وہ عبرت حاصل کرے اور خواہ مخواہ دوسروں کو خائن اور جاہل قرار دے کر دجل و تلبیس سے کام نہ لے۔

نویں حدیث:۔ فریق مخالف یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ حضرت قتادہؓ کی آنکھ غزوۂ احد میں باہر نکل گئی تھی حضرت قتادہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے، حضرت میری نوجوان بیوی ہے اور مجھے اس سے محبت ہے ممکن ہے کہ میری اس آنکھ کو اس حالت میں دیکھ کر وہ نفرت کرنے لگ جائے، آپ نے اس کی آنکھ کا ڈھیلا اٹھا کر اپنی جگہ رکھا اور

آنکھ صحیح ہو گئی، حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں کہ میری وہ آنکھ پھر کبھی دُکھنے نہیں پائی۔

فریقِ مخالف اس روایت کو پیش کر کے اس پر حاشیہ چڑھایا کرتا ہے کہ دیکھو خدا کی دی ہوئی آنکھ تو دُکھ اٹھایا کرتی تھی، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آنکھ اس سے بہتر اور خوبصورت تھی اور کبھی نہ دُکھتی تھی۔

جواب:- فریقِ مخالف خیانت اور تحریف میں بہودسے بھی سبقت لے گیا ہے اگر اسی روایت کو اپنے صحیح الفاظ میں بیان کیا جائے تو کسی کو غلط فہمی نہیں ہو سکتی، اصل واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت قتادہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں درخواست کے لیے حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ان شئت صبرت و ان شئت دعوت اللہ۔ اگر تو چاہے تو میں آنکھ کے ڈھیلے کو اس کی جگہ رکھ کر خدا سے دعا کروں کہ وہ صحیح کر دے حضرت قتادہؓ نے کہا حضرت یہی میری آرزو ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنکھ کے ڈھیلے کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ کر فرمایا۔ اللھم اکس جمالا (عمدۃ القاری ج ۸ ص۱۷۳ و کامل للمبرد ج ۳ ص ۳۰ طبع مصر۔ والبدایۃ والنھایہ ج ۳ ص ۳۳) یعنی اے اللہ اس کی آنکھ کو جمال اور روشنی عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا منظور فرمائی اور حضرت قتادہ رضؓ

کی آنکھ درست ہو گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے دعا ایسی قبول فرمائی کہ ان کی وہ آنکھ کبھی نہ دکھی۔

اس روایت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقبول الدعا ہونا ثابت ہے اور اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا، فریق مخالف کی جہالت ہے کہ وہ اس روایت اور واقعہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختارِ کُل ہونا ثابت کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت رافع بن مالک کی آنکھ جنگِ بدر میں ضائع ہو گئی، وہ فرماتے ہیں فبصق فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا لی فما اذانی منہ شیئ واسنادہ جید (البدایۃ والنہایۃ جلد ۳ صـ۳۳۳) آپ نے میری آنکھ میں لعابِ مبارک لگا کر میرے لیے دعا کی سو میری اس آنکھ کو پھر کبھی تکلیف نہ ہوئی۔

دسویں حدیث:- بخاری و مسلم وغیرہ میں روایت آئی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اُعطیتُ مفاتح خزائن الارض یعنی مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔

فریق مخالف اس روایت سے یہ ثابت کیا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام خزانے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیے ہیں،

اور آپ ان کو لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

جواب:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اعلان کر دیجئے کہ:۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ج (پ انعام ع)

میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہیں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اب اس آیت کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو محال ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں آپ سے یہ اعلان کروائے کہ آپ فرمائیں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے نہیں ہیں، اور اس کے مقابلے میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمائیں کہ مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک، تو اس خبرِ واحد کو آیتِ مذکورہ کے مقابلہ میں پیش کرنا ہی محض ہرزہ بافی ہے، بلکہ اس حدیث کا صحیح مطلب وہی ہے جو شراح حدیث نے بیان فرمایا ہے چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں کہ:۔

فان معناه الاخبار بان امته تملك خزائن الارض وقد وقع ذلك (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۵)

اس حدیث کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت زمین کے خزانوں کی مالک ہو کر رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اور علامہ عزیزیؒ حدیث اُعطیت مفاتح الارض کی شرح میں لکھتے ہیں کہ استعارۃ لوعد اللہ بفتح البلاد (السراج المنیر ج ۱ ص ۲۴۵) یعنی اس میں استعارہ اور کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہروں کے فتح کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور بذریعہ خواب آپ کو یہ بشارت سنائی گئی تھی، چنانچہ مسلم ج ۲ ص ۲۴۴ اور ابو عوانہ ج ۱ ص ۲۹۵ وغیرہ میں بینا انا نائم کی قید موجود و مذکور ہے۔

بلکہ خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے زمین کے مشرق اور مغرب کو سمیٹا۔

واعطانی الکنزین الاحمر والابیض وان امتی سیبلغ ما زوی لی منہا (الحدیث) مستدرک ج ۴ ص ۴۷۹ قال الحاکم والذہبی علیٰ شرطہما۔

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں خزانے دے دیئے ہیں سُرخ اور سفید (ان سے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں مراد ہیں) اور میری اُمت ضرور وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کا مجھے مشاہدہ کرایا گیا ہے۔

کیا حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرامؓ نے قیصر و کسریٰ کے خزانے حاصل نہیں کئے تھے؟ اور کیا دوسرے خلفاء اسلام نے مختلف اوقات میں زمین کے مختلف خزانوں کو اپنا نہیں لیا تھا؟ اس حدیث میں تو آپ نے اپنی اُمت کو یہ خوشخبری سُنائی ہے کہ تمام زمین کے خزانے تمہارے قدموں پر پہنچا دیئے جائیں گے، سو ایسا ہی ہوا اس حدیث سے

اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختارِ کل ہونا ثابت ہوتا ہے تو حضرت عمر فاروقؓ تو درجۂ اول پر مختارِ کل ثابت ہوں گے (العیاذ باللہ) کیونکہ قیصر و کسریٰ وغیرہ کے خزانے تو انہی کی اسکیم اور حکم سے اُمت کو حاصل ہوئے تھے۔

بعض لوگوں کو بلاوجہ اس حدیث سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ اس حدیث سے مِلک ظاہری کے علاوہ مِلک باطنی بھی مراد ہے کیونکہ اگر محض مِلک ظاہری ہی مراد ہو تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص کیسے ہوئی؟ اگر اس سے عام دنیوی بادشاہت مراد ہو تو مسلمانوں سے گزر کر یہ تو کفار و مشرکین اور فرعون کو بھی ملی ہے، اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اما در خزائنِ معنوی مفاتیح آسمان و زمین و ملک و ملکوت است۔ تخصیص زمین ندارد۔	البتہ خزائنِ معنوی میں زمین و آسمان ملک و ملکوت کی کنجیاں آپ کو حاصل ہیں محض زمین کی تخصیص نہیں۔
(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۰۵)	(محصلہ نور ہدایت ص ۱۵۵ تا ص ۱۵۷)

الجواب:۔ اس حدیث سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختارِ کائنات ثابت کرنا باطل ہے۔

اولاً: اس لیے کہ مِلکِ باطنی اور خزائنِ معنوی سے کیا مراد ہے؟ اگر

اس سے ایمان، عمل صالح، نیکی اور اخلاق حسنہ وغیرہ دینا مراد ہو تو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ ایمان اور ہدایت وغیرہ دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا کام صرف تبلیغ ہے ہدایت دینا نہیں۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (الآیۃ) پھر کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ یہ خزائن معنوی آپ کو عطا کر دیئے گئے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور اگر خزائنِ معنوی سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سب مخلوق سے بڑھ کر رتبہ اور درجہ فضائل اور مکارم اخلاق وغیرہ عطا فرمائے ہیں تو اسکا کون مسلمان منکر ہے؟ اور حضرۃ شاہ عبد الحق کی عبارت کا بھی یہی مفاد ہے لیکن اس سے متنازع فیہ معنی میں مختارِ کل ثابت کرنا کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مترادف ہے۔

وثانیاً مؤلف نور ہدایت وغیرہ کا یہ مغالطہ کہ اس حدیث میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خصائص بیان کیے گئے ہیں اور اگر اس سے اُمت کی فتح و کامرانی مراد ہو تو یہ آپؐ کے خصائص میں کیسے داخل ہے؟ تو یہ نرا جاہلانہ سوال اور اعتراض ہے کیونکہ اُمت کو جو کچھ بھی ظاہری اور باطنی کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں تو وہ آپ ہی کی بدولت اور آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں، علماءِ عقائد اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آپ کی اُمت میں سے کسی بھی ولی کی کرامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ آپ ہی کی اتباع سے ولی کو یہ

حاصل ہوتی ہے۔

وثالثاً جب خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وان امتی سیبلغ ما زوی لی منہا سے اس کی تفسیر اور تشریح کر دی ہے۔ (جس کو مؤلف نور ہدایت بالکل پی گئے ہیں) تو پھر اس کی مزید تشریح کی کیا حاجت ہے؟ اور کسی اور کا بیان کردہ معنٰی اور مطلب کیونکر حجت ہو سکتا ہے اور آخر شراح حدیث نے بھی تو یہی مطلب بیان کیا ہے، علاوہ ازیں امام نوویؒ اور علامہ عزیزیؒ کے حوالجات بھی گزر چکے ہیں جو مؤلف نور ہدایت کے بالکل خلاف جاتے ہیں۔

ورابعاً صحیحین وغیرہ کی ایک روایت میں آپ کے پانچ خصائص بیان ہوئے ہیں (دیکھئے بخاری ج ۱ ص ۴۸ و مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ اور ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۹۵؟ وغیرہ کی ایک روایت میں چھ بیان ہوئے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے مختلف احادیث کے پیش نظر سترہ خصائص بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ علامہ ابو سعد نیشاپوریؒ نے آپ کے ساٹھ خصائص بیان کئے ہیں (فتح الباری ج ۱ ص ۳۴۸) اور علامہ عزیزیؒ نے ایک قول میں دو سو اور دوسرے قول میں تین سو خصائص نقل کئے ہیں (السراج المنیر ج ۱ ص ۳۲۶) ان میں وہ بھی ہیں جو ہیں تو آپ کے خصائص مگر امت ان میں برابر کی شریک ہے مثلاً ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:-

وجعلت لی الارض مسجداً و	آپ نے فرمایا کہ میرے لیے زمین مسجد اور پاک
طہوراً فایما رجل من امتی	(اور تیمم کا ذریعہ) بنادی گئی ہے سو میری
ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل (الحدیث)	امت میں سے جس شخص پر نماز کا وقت آ
(بخاری ج ۱ ص ۴۸ و مسلم ج ۱ ص ۱۹۹)	جائے تو وہ وہیں نماز پڑھ لے (محصلہ)

اس صحیح روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ ساری زمین آپ کے لیے مسجد اور تیمم کا ذریعہ بنائی گئی ہے مگر یہ صرف آپ ہی کے لیے نہیں بلکہ آپ کی ساری امت بھی اس میں شامل ہے اور حافظ ابن حجرؒ ابن خزیمہ اور نسائی کی ایک روایت کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

واعطیت ھذہ الآیات من اٰخر	آپ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ کی آخری
سورۃ البقرۃ من کنز تحت العرش	آیات عرش کے نیچے سے ملی ہیں، اس سے
یشیر الی ماحط اللہ عن امتہ من	آپ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی امت سے
الاصر وتحمیل مالا طاقۃ لھم بہ	بوجھ اور خطاء اور نسیان وغیرہ معاف
ورفع الخطاء والنسیان اھ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۷۸)	ہوئے ہیں (محصلہ)

دیکھئے یہ خصوصیت تو آپ کی ہے مگر فائدہ امت اٹھا رہی ہے

گیارہویں حدیث:۔ فریق مخالف یہ واقعہ پیش کیا کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام اور کنیت کو جمع کرنا صحیح نہیں، لیکن آپ نے صرف حضرت علیؓ کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کا

نام محمد اور کنیت ابو القاسم رکھ لیں، کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کُل تھے۔

جواب:۔ بیشک ابتدا میں آپ نے ایسا فرمایا تھا، لیکن بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا، اب محمد نام اور ابو القاسم کنیت رکھنا جمہور اہل اسلام کے نزدیک صحیح ہے، چنانچہ علامہ بدر الدین حنفی عمدۃ القاری ج۵ ص۴۷۴ میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب ج۵ ص۳۰۳ میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ھو مذھب الجمھور کہ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ علاوہ بریں امام طحاوی حنفی نے اس پر بسیط سے کلام کیا ہے کہ سب کے لیے ایسی کنیت اور نام رکھنا جائز تھا، حضرت علیؓ کے صاحبزادہ کی اس میں کوئی خصوصیت نہ تھی (طحاوی ج۲ ص۲۳۰) جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ پہنچا دیا، اس میں آپ کے مختارِ کل ہونے کا کیا معنٰی؟ کیونکہ وما ینطق عن الھوٰی الآیۃ نص قطعی ہے۔

بارھویں حدیث:۔ مخالفین نے یہ واقعہ پیش کیا ہے کہ سونے کی انگوٹھی مردوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت براءؓ بن عازبؓ کے لیے سونے کی انگوٹھی کو جائز قرار دیا، سو آپؐ مختارِ کُل ہوتے۔

جواب اوّلاً تو اس حدیث کی سند صحیح نہیں، علامہ حازمیؒ اپنی کتاب

الاعتبار ص۲۳۲ میں لکھتے ہیں کہ اسنادہ لیس بذٰلک یعنی اس حدیث
کی سند قابلِ اعتبار نہیں ہے
ثانیاً یہ روایت خود حضرت براءؓ ابن عازبؓ کی دوسری متفق علیہ
حدیث کے معارض ہے۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں قابلِ استدلال
نہیں۔ علامہ طحاویؒ۔ امام زین الدین عراقیؒ اور علامہ بدر الدین عینیؒ حنفی
نے اس کی تصریح کی ہے۔
ثالثاً حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری ج۱۰ ص۲۴۹ میں ابن ابی شیبہؒ
کے طریق سے بسندِ صحیح یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسماً فالبسنیہ فقال البس ما کساک اللہ ورسولہ۔	کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا پس یہ انگوٹھی مجھے پہنائی اور ارشاد فرمایا کہ جو چیز تم کو خدا اور اس کے رسولؐ نے پہنائی ہے اس کو پہنو۔
(مسند احمد ج۴ ص۱۹۴)	

ان الفاظ نے آپ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ اجازت و اباحت
بوحیِ الٰہی ہے اور میں اس کا مبلغ ہوں پہنانا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر میرے ہاتھ سے۔
تیرہویں حدیث:۔ فریق مخالف کہا کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس کو شوہر کی عدت کا سوگ معاف
فرما دیا یعنی چار مہینے دس دن کے بجائے صرف تین دن سوگ کرنا، اس

سے معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کُل تھے۔

جواب :۔ یہ روایت مندرجہ ذیل مضمون سے مروی ہے :۔

۱۔ آج کے دن کے بعد تو سوگ نہ کر (مسند احمد ج ۶ صفحہ ۳۲۹ و فتح الباری ج ۹ صفحہ ۳۹۴)

۲۔ تین دن سوگوار رہو پھر جو چاہو کرو (مسند احمد و فتح الباری و طحاوی ج ۲ صفحہ ۴۴ وغیرہ)

۳۔ تم تین دن سوگ کا لباس پہنو، پھر جو چاہو سو کرو (مسند احمد و فتح الباری وغیرہ)

اس حدیث میں سوگ کے معاف کرنے کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے اب آیئے حنفیہ کے جلیل القدر امام فقہ و حدیث حافظ ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے مطلب سُن لیجئے، وہ فرماتے ہیں کہ :۔

"پہلے ہر عورت کے لیے صرف تین دن سوگ کا لباس پہننا ضروری تھا اور عدت کے باقی دنوں میں سوگ کا حکم نہ تھا اور پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور حکم ہوا کہ اب چار مہینے اور دس دن سوگ کرنا ضروری ہے"۔ (طحاوی ج ۲ صفحہ ۴۴)

دیکھا آپ نے کہ مخالفین ایک غیر مخصوص بلکہ منسوخ حکم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختارِ کُل ہونا ثابت کرتے ہیں فیا للعجب!

چودہویں حدیث:۔ فریقِ مخالف اپنی تقاریر میں کہا کرتا ہے کہ قرآن مجید پ۳ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی یہ دلیل پیش کی کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے تو نمرود نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ یہ کوڑ مغز اصل بات کو نہیں سمجھتا تو اس کے سامنے یہ دلیل پیش کی کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر اے نمرود تو بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے لے آ۔ اس پر وہ کافر حیران و ششدر رہ گیا، فریقِ مخالف کے مقرر کہا کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ سورج کا مغرب سے نکالنا خدا کا کام ہے۔

اور ایک حدیث آئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت علیؓ کی گود میں سرِ مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے (یا وحی نازل ہو رہی تھی) کہ عصر کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ پڑھ سکے، آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی؟ حضرت علیؓ نے کہا، نہیں! سورج غروب ہو چکا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سے سورج کو مغرب کی طرف سے واپس لوٹا دیا۔ فریقِ مخالف کہتا ہے کہ معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدائی

صفات سے متصف تھے، لہٰذا مختارِ کُل ہوئے۔

جوابِ اوّل: جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ حدیث مشکل الآثار ج ۲ ص ۸ وج ۴ ص ۳۸۸ اور شفاء ص ۱۴۷ وغیرہ میں موجود ہے، امام طحاویؒ اور قاضی عیاضؒ اس حدیث کی تصحیح بھی کرتے ہیں، لیکن اگر آپ مندرجہ ذیل امور پر غور کریں گے تو آپ کو حقیقتِ حال سے آگاہی ہو جائے گی

۱۔ فتح المغیث ص ۱۲۰ پر محدثین کرامؒ کا یہ اصول نقل کیا ہے کہ جب حلال وحرام میں وہ کوئی حدیث نقل کرتے ہیں تو حدیث کی سند میں قطعاً نرمی نہیں کیا کرتے اور اگر فضائل (اور معجزات وغیرہ) میں حدیث نقل کرتے ہیں تو سہل انگاری سے کام لیتے ہیں، امام حاکمؒ نے مستدرک ج ۱ ص ۴۹۰ میں امام فن عبدالرحمٰنؒ بن مہدیؒ سے بھی اس کے قریب مضمون نقل کیا ہے۔

۲۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۷۳ وغیرہ میں ہے کہ جب کوئی مبتدع ایسی حدیث پیش کرے جس سے اس کی بدعت میں تقویت ہوتی ہو تو اس کی وہ روایت قابلِ احتجاج نہیں ہو سکتی۔

۳۔ شرح مواقف ص ۲۷ اور شرح عقائد ص ۱۰۱ وغیرہ عقائد کی کتابوں میں یہ مسئلہ بتصریح تمام لکھا ہوا ہے کہ خبرِ واحد اگرچہ صحیح ہو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا اور خانصاحب بریلوی کے نزدیک تو خبرِ واحد صحیح

کا قرآن پاک کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے تو ان مذکورہ اصول سے معلوم ہوا کہ اگر ایسی حدیث کو جو خبرِ واحد ہو اور اس میں کچھ ضعف بھی ہو، اگر محض فضائل وغیرہ میں پیش کیا جائے تو اس کو قبول کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر ایسی حدیث سے عقیدہ ثابت کیا جاتا ہو جیسا کہ فریقِ مخالف کرتا ہے تو اس کا ایک ایک راوی ثقہ ہونا اور اس حدیث کا متواتر اور قطعی ہونا ضروری ہے، لیکن حدیث مذکور میں دونوں چیزیں مفقود ہیں کہ نہ تو یہ حدیث متواتر اور قطعی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند صحیح ہے، یہ روایت حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے مروی ہے جس کی پہلی سند کے روات یہ ہیں :۔

۱۔ ابو امیہ۔ ۲۔ عبد اللہ بن موسیٰ العبسی (جو شیعہ تھا) قانون الموضوعات (ص ۲۷۵ و تقریب ص ۲۸۳) (۳) فضیل بن مرزوق میزان ج ۲ ص ۳۳۵ اور تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۹۹ میں ہے کہ امام نسائیؒ امام عثمانؒ بن سعیدؒ اور حاتمؒ کہتے تھے کہ یہ ضعیف ہے اور ابنِ حبانؒ کہتے تھے، منکر الحدیث جداً (کہ کثرت سے منکر حدیثیں پیش کرتا تھا) اور ثقہ روات سے روایت کرنے میں خطا کرتا تھا اور عطیہ سے موضوع اور باطل روایات نقل کیا کرتا تھا، اور اس کے ساتھ کان معروفاً بالتشیع من غیر سبب یعنی لوگوں میں بغیر سبب شیعہ مشہور تھا اور قانون الموضوعات

صفحہ ۲۸۵ میں ہے کہ امام یحییٰؒ بھی اس کو ضعیف کہتے تھے الخ) حضرت اسماءؓ کی دوسری سند میں احمد بن صالح واقع ہے قانون الموضوعات صفحہ ۲۳۵ میں ہے کہ محدثین نے اس میں طعن کیا ہے اور اس سند کا ایک راوی محمد بن موسیٰ ہے جو شیعہ تھا (تقریب صفحہ ۲۳۹ اور میزان ج۳ صفحہ ۱۴۱) اور حضرت اسماءؓ کی تیسری سند میں عمار بن مطر واقع ہے، امام ابو حاتم رازیؒ کہتے ہیں کان یکذب جھوٹ کہا کرتا تھا اور ابن مہدیؒ فرماتے تھے کہ اس کی تمام حدیثیں باطل ہیں، امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا۔

حضرات! یہ ہے وہ حدیث جس سے فریقِ مخالف مختارِ کل جیسا مسئلہ ثابت کرتا ہے، حالانکہ ہر روایت میں کوئی نہ کوئی ضعیف راوی موجود ہے اور شیعہ کا غلو حضرت علیؓ کے بارے میں ڈھکی چھپی بات نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے لا اصل لہ اس حدیث کی کوئی صحیح اصل موجود نہیں، اور محدث ابن جوزیؒ کہتے تھے کہ یہ حدیث موضوع اور باطل ہے۔ (موضوعات کبیر ملا علی القاریؒ الحنفی صفحہ ۴۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ ج۴ صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷ میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث کو امام طحاویؒ اور قاضی عیاضؒ نے صحیح کہا ہے لیکن محققین جانتے ہیں کہ ان ھذا الحدیث کذب موضوع یہ حدیث (خالص) جھوٹ اور موضوع و باطل ہے نیز فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی جو فنِ حدیث

میں نہایت کمزور ہے عبدالرحمٰن بن شریک ہے اور ایک راوی ابن عقدہ رافضی ہے، جو صحابۂ کرامؓ کی توہین کی احادیث بیان کیا کرتا تھا، حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے اُستاد حافظ مزیؒ اور امام ذہبیؒ نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔ (البدایۃ النہایہ ج ۶ ص ۳۸۲)

حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث پر البدایہ میں تفصیلاً بحث کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ علیؒ بن المدینی، محمدؒ بن عبیدؒ، یعلیؒ بن عبیدؒ، ابن زنجویہؒ، علامہ ابوالحجاجؒ، علامہ ابوالعباسؒ، محمد بن صالح الہاشمیؒ، علامہ جوزجانیؒ، علامہ محمدؒ بن ناصر البغدادیؒ۔ اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ سب اس کو موضوع، باطل اور محض ہیچ فرماتے ہیں، حافظ ابنِ کثیرؒ کہتے ہیں کہ باوجود کثرتِ دواعی کے صرف ایک عورت اس کو نقل کرتی ہے۔ مجھولۃ لا یعرف بھا اور وہ بھی مجہول جس کا حال معلوم نہیں ہے تو اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

فائدہ:۔ سورج لوٹنے کی حدیث بروایت ابوہریرہؓ بھی مروی ہے لیکن اس میں یزید بن عبدالملک نوفلی واقع ہے امام احمدؒ، امام یحیٰؒ، امام احمد بن صالحؒ۔ امام ابوزرعہؒ امام ابن عدیؒ، امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ تمام اس کو ضعیف اور متروک الحدیث کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۱۵)

اور اس روایت کا ایک راوی یحیٰ بن یزید ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا، واہ (میزان ج ۳ ص ۳۱۵)

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ روایتیں جن کتابوں میں واقع اور مروی ہیں وہ یہ ہیں۔ ابن مندہ، ابن شاہینؒ، طبرانی مردویہ اور امام طحاویؒ کی مشکل الآثار وغیرہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ جلد۲ صفحہ۳۶ میں اور شاہ عبد العزیزؒ عجالہ نافعہ صفحہ۷ میں لکھتے ہیں کہ طبرانیؒ اور امام طحاویؒ کی جملہ تصانیف طبقہ ثالثہ میں داخل ہیں اور اُن کے بارے میں مؤخر الذکر موصوف لکھتے ہیں کہ :-

"واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع بر خلاف آنہا منعقد گشتہ"

اور ابنِ مردویہؒ اور ابنِ شاہینؒ وغیرہ کی کتابیں طبقہ رابعہ میں داخل ہیں اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

"ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثباتِ عقیدہ یا عملی بآنہا تمسک کردہ شود" (عجالہ نافعہ صفحہ۷)

الغرض یہ روایت جس غرض کے لیے پیش کی جاتی ہے وہ عقیدہ سے متعلق ہے اور یہ روایت خبر واحد ہونے کے ساتھ ان کتابوں میں آئی ہے جن کا حال آپ نے شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے سُن لیا اور اس روایت کی کوئی سند شبہ سے خالی نہیں۔ نیز ایسی بھی کوئی سند نہیں جس میں سارے راوی ثقہ ہوں تو اس کو ایسے اہم مسئلہ پر پیش کرنا بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔

نوٹ :- اگر ان مذکورہ کتب میں کوئی ایسی روایت ہو جو سنداً صحیح ہو اور قرآن کریم اور صحیح احادیث سے متعارض نہ ہو اور علی الخصوص جبکہ اکثر امت اور جمہور اہل اسلام کا اس پر تعامل بھی ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ یہ بات محل نزاع ہے اس لیے خلط مبحث کا شکار نہ ہوں اور نہ جاہل اور متعصب معترضین کی طرف توجہ کریں۔

لطیفہ : اگر اس روایت سے فریق مخالف کے نزدیک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا اور مختار کل ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ حدیث کی صحت کا حال آپ سن ہی چکے ہیں تو فریق مخالف کی اس منطق کی رو سے حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی خدا اور مختار کل ثابت ہوں گے (العیاذ باللہ) کیونکہ بخاری ج۱ ص۴۴۰ مسلم ج۲ ص۸۵ مسند احمد ج۲ ص۳۱۸ مشکوٰۃ ج۲ ص۳۵۲ مشکل الآثار ص۱۰ اور البدایہ والنہایہ ج۱ ص۳۱۱ وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج روکا گیا اور غروب نہ ہو سکا، جب ضعیف حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے تو صحیح حدیث سے کیوں یہ ثابت نہیں ہو سکتا؟ رہا حبس اور رد کا فرق کرنا تو بے سود ہے، کیونکہ سورج پر تسلط حبس کی صورت میں بھی ہے اور رد کی صورت میں بھی ہے لہذا اصولی طور پر اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب دوم : اگر ہم دو منٹ کے لیے اس ضعیف حدیث کو تسلیم بھی کر لیں

تو پھر بھی فریقِ مخالف کا دعوٰی اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی (مفصل حدیث میں) موجود ہیں۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم انہ کان فی طاعتك وطاعۃ رسولك فاردد علیہ الشمس۔

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اے اللہ تعالٰی بیشک علی تیری اور تیرے نبی کی اطاعت میں مشغول تھا کہ اس کی نماز فوت ہو گئی) اے اللہ! تو سورج واپس کر دے

(خصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۸۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صرف دعا مانگی تھی، اللہ تعالٰی نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مقبول الدعاء ہونا ثابت ہوا اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، اس حدیث سے مختارِ کُل ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا جو فریقِ مخالف کا باطل اور مردود دعوٰی ہے۔

پندرہویں حدیث:- فریقِ مخالف کہا کرتا ہے کہ ایک حدیث آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ربیعہؓ بن کعب الاسلمی فرماتے ہیں کہ میں ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں رہا اور آپ کو وضو کے لئے پانی اور جس چیز کی بھی آپ کو ضرورت تھی لا کر دی، آپ نے فرمایا اے ربیعہؓ مانگو کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے کہا، حضرت میں تو یہی مانگتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا

کہا کچھ اور بھی مانگتے ہو، حضرت ربیعہؓ نے فرمایا، بس حضرت یہی مانگتا ہوں،
آپؐ نے فرمایا:

فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (مسلم ج ۱ صلا و مشکوٰۃ ج ۱ صک)
پس تم کثرت سجود سے (یعنی کثرت سے نماز پڑھنے) سے میری مدد کرو۔

فریق مخالف کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں لفظ اسل مطلق ہے معنی یہ ہوگا کہ جو چاہو مانگو، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہر قسم کا سوال کیا جا سکتا ہے تو آپ مختارِ کل ہوئے۔

چنانچہ مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہؓ نے حضورؐ سے جنت مانگی تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو کیونکہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام بھی فرماتے ہیں اَعِنِّیْ اے ربیعہؓ تم بھی اس کام میں اتنی مدد کرو کہ زیادہ نوافل پڑھا کرو۔ یہ بھی غیر اللہ سے طلبِ مدد ہے اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے واز اطلاق سوال کہ فرمود سل و تخصیص نہ کرد بمطلوب خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت کرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار بدہد الخ (جاء الحق ص۱۸۵)

اور مؤلف نور ہدایت تو اس روایت سے استدلال کرتے ہیں اور خریہ،

مخالف پر بزعم خود گرفت کرتے ہوئے عجیب و غریب شگوفے کھلاتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ:۔

"اس روایت سے صاف طور پر صحابہ کرام رض کا عقیدہ معلوم ہو گیا کہ ان کے عقیدہ میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام جنّت عطا فرما سکتے ہیں اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنّت کا سوال کرنا شرک و کفر نہیں بلکہ عین ایمان ہے (بلفظہٖ ص ۹۸) پھر آگے لکھا ہے کہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہمارے مدعا پر یہ روایت قطعی الدلالت ہے، الخ ص ۹۹

اور ما شاء اللہ راقم کی بزعمِ خود غلطیاں بتا کر بُختی اُونٹ کی طرح موج میں آ کر عجیب ہوائی اور فضائی تقریر کی ہے جو زبانِ حال ان کی جہالت اور کم فہمی کا رونا رو رہی ہے مفتی صاحب کی طرح انہوں نے بھی اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۳۹۶ کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے اور "جاء الحق" کے حوالہ پر بنیاد رکھ کر مرقات جلد ۲ ص ۵ کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے (اور پھر اس سے استدلال کیا ہے) کہ

یؤخذ من اطلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم الامر بالسؤال ان اللہ مکّنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق الیٰ ان نقل ان اللہ اقطعہ	یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا (ربیعہ بن کعب کو) مانگنے کا حکم مطلق دیا جس سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قدرت اور اختیار بخشتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے جو چاہیں عطا فرماویں، اسی لیے ہمارے ائمہ نے آپ کے

ارض الجنۃ یعطی منہا ما شاء لمن شاء اھ

خصائص سے شمار کیا ہے کہ حکم وغیرہ جس کو چاہیں جس کے ساتھ مخصوص فرمادیں (یہاں تک نقل فرماتے ہیں کہ) جنت کی زمین اللہ تعالیٰ نے آپ کو قطیع فرمادی اس سے جتنی جسے چاہیں عطا فرمادیں (بلفظہٖ نور ہدایت ص۱۰۵ و ۱۰۶)

الجواب :- مؤلف نور ہدایت وغیرہ وہ روایت جو راقم نے مسند احمد اور البدایۃ والنہایۃ کے حوالہ سے پیش کی ہے جس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت ربیعہؓ بن کعب نے فرمایا کہ حضرت میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں، کہ آپ میرے لیے اپنے پروردگار سے شفاعت اور سفارش کریں الخ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیا، جب خود حدیث میں شفاعت اور سفارش کی تصریح موجود ہے تو پھر اس سے کچھ اور مراد لے کر بھولے نہ سمانا کہاں کا انصاف ہے ؟ اور جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود اپنے لیے جنت کے مالک نہیں تو کسی اور کے لیے کیسے مالک ہو سکتے ہیں ؟

اسی کتاب میں آگے یہ حدیث آرہی ہے کہ جب آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جا سکتا تو حضرات صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ :-

ولا انت یا رسول اللہ قال حضرت آپ بھی محض عمل کی بناء پر جنت میں

۱؎ حبس کا ذکر آگے ص۱۸۵ میں آرہا ہے۔

ولا انا الا ان يتغمدني ربي برحمته۔ (بخاری ج۲ ص۹۵۹، مسلم ج۲ ص۳۷۶)

داخل نہیں ہو سکتے؛ فرمایا ہاں میں بھی نہیں داخل ہو سکتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے آغوش میں لے کر مجھے داخل کر دے۔

کیا ایسی صحیح اور صریح احادیث کے ہوتے ہوئے اس حدیث کا کوئی اور مطلب لیا جا سکتا ہے؟ چنانچہ علامہ ابن الملک الحنفیؒ حضرت ربیعہؓ بن کعب کی حدیث کی شرح فرماتے ہیں کہ:-

وفيه اشارة الى ان هذه المرتبة العالية لا تحصل بمجرد السؤال بل مع دعائه عليه السلام لها من الله تعالى۔ (بحوالہ فتح الملہم ج۲ ص۹۷)

اس میں اشارہ ہے کہ یہ بلند رتبہ محض سوال سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ سوال بھی ہو اور اس کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں۔

الغرض اس حدیث کے اندرونی اور بیرونی قرائن اور دلائل اس امر کو متعین کر دیتے ہیں کہ حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنّت کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی شفاعت اور دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا۔ لہٰذا مفتی احمد یار خانصاحب کا یہ خیال کہ حضرت ربیعہؓ نے حضور سے جنّت مانگی الخ اور مؤلف نور ہدایت کا یہ کہنا کہ اس روایت سے صاف طور پر صحابہ کرامؓ کا عقیدہ معلوم ہو گیا کہ ان کے عقیدہ میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام جنّت عطا فرما سکتے ہیں اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے حقیقت کا سوال کرنا شرک و کفر نہیں بلکہ عین ایمان ہے اور نیز ان کا یہ
قول کہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہمارے مدعیٰ پر یہ روایت قطعی الدلالت
ہے اوثق فن حدیث سے بیخبری اور مراد حدیث سے لاعلمی پر مبنی اور نری جہالت
ہے اور مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اَعِنّی فرما کر جس امداد کا ذکر فرمایا ہے وہ مَا فَوْقَ الْاَسْبَاب امداد
نہیں ہے جو شرک اور کفر ہے بلکہ اسباب اور ما تحت الاسباب کی امداد و اعانت
محلِ نزاع نہیں ہے۔ خلط مبحث علماء اور دیانتدار اصحاب کی شان کے
ہرگز لائق اور مناسب نہیں ہے، باقی رہی اشعۃ اللمعات اور مرقات کی
عبارت سے استدلال تو اس میں کلام ہے۔

اولاً اس لیے کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ و صریحہ کے مقابلہ میں
غیر معصوم شخصیتوں کی لغزشوں کا نام عین ایمان نہیں ہے عین ایمان قرآن کریم
اور احادیث متواترہ اور اجماع قطعی کا نام ہے علماء دین کی غلطیاں اور
لغزشیں عین ایمان ہرگز نہیں ہوا کرتیں۔

وثانیاً صاحب اشعۃ اللمعات اور صاحب مرقات کی دوسرے
مقامات پر صریح عبارات کے پیش نظر یہ عبارت خود تاویل کی محتاج
ہے نہ یہ کہ اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور تاویل یوں ہو سکتی
ہے کہ آپ کی دعاء اور سفارش کی برکت سے اللہ تعالیٰ کام کر دیتا ہے، لہذا

محض سبب ہونے کے لحاظ سے مجازی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ہی کر دیا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حقیقۃً جنّت ہی آپ کے قبضہ میں ہے اور جس کو چاہیں دے دیں ورنہ آپ نے ابوطالب اور عبداللہ بن اُبیّ وغیرہ کو باوجود قلبی خواہش کے کیوں نہ جنّت دے دی، عنقریب اس کی بحث آ رہی ہے، انشاء اللہ العزیز

وثالثًا خود حضرت مُلّا علی القاریؒ اور شیخ عبدالحق صاحبؒ کی متعدد عبارتیں ہمارے اس بیان کردہ مطلب کی تائید کرتی ہیں مثلاً ایک ملاحظہ ہو:

بخاری و مسلم کی شفاعت کی طویل حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، پھر میں سجدہ ریز ہوں گا، سو مجھے کہا جائے گا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) سر اُٹھائیے اور فرمائیے آپ کی بات سُنی جائے گی اور سوال پُورا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہو گی۔

فاقول یارب ائذن لی فیمن قال لا الٰہ الا اللہ قال لیس ذٰلک لک ولکن وعزّتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منھا من قال لا الٰہ الا اللہ۔

تو میں کہوں گا اے میرے رب مجھے اجازت دے دے اُن لوگوں کی سفارش کی جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ کام آپ کے بس کا نہیں ہے لیکن مجھے اپنی عزّت جلال، بڑائی اور عظمت کی قسم ہے میں جہنّم سے

متفق علیہ (المشکوٰۃ ج۲ ص۴۸۹)

ضرور ایسے لوگوں کو نکال دوں گا جنہوں نے کلمہ پڑھا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:-

لیس ذلك لك ای لیس هذا لك وانما افعل ذلك تعظیما لاسمی واجلالا لتوحیدی قال شارح من علمائنا المحققین المعنی لیس اخراج من قال لا الٰه الا الله من النار لك یعنی مفوضا الیك وان كان لك فیهم مكان الشفاعة الخ (مرقات هامش مشکوٰۃ ج ۲ ص۴۸۹)

لیس ذلك لك کا مطلب یہ ہے کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے اس کو میں خود کروں گا اپنے نام کی تعظیم اور اپنی توحید کے اجلال کے لیے ہمارے محققین علماء میں سے ایک شارح نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کا دوزخ سے نکالنا آپ کو تفویض نہیں کیا گیا اور نہ یہ آپ کے اختیار میں ہے اگرچہ آپ کو شفاعت کا حق ہے۔

اور شیخ عبدالحقؒ تو اس حدیث سے جبری اور قہری شفاعت کی بھی نفی کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

"می گوید پروردگار تعالیٰ نیست شفاعت کردن مر کسے را کہ گفتہ است لا الٰہ الا اللہ مر ترا و نیست ایں کار تو" (اشعۃ اللمعات، ج۴ ص۲۰۸)

حضرت ملا علی القاریؒ اور حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی ان صریح عبارات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی نادان یہ کہتا پھرے کہ دوزخ سے نکالنا اور جنت میں داخل کر دینا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مفوض اور سپرد تھا اور اس میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا تو ایسے نادان کا دنیا میں کیا علاج ہو سکتا ہے؟ غرضیکہ حضرت ربیعہؓ بن کعب کی حدیث سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شفاعت اور دعا سے بالاتر ہو کر جنت کا اختیار ثابت کرنا قرآن کریم، صحیح احادیث، اجماع امت، اور خود حضرت ربیعہؓ بن کعب کی مسند احمد وغیرہ کی روایت، اور شراح حدیث بلکہ خود حضرت ملا علی القاریؒ اور حضرت شیخ عبدالحقؒ کی صریح عبارات کے بالکل مخالف اور نری جہالت ہے۔ نعوذ باللہ منہ

بات دراصل یوں تھی کہ چونکہ حضرت ربیعہؓ بن کعب ایک نوجوان صحابی تھے انہوں نے اپنی رات کی نیند پر قابو پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی کی عالم شباب میں اس قربانی سے متاثر ہو کر اپنے دل میں رقت آمیز محبت محسوس کی اور فرمایا جو سوال تم نے کرنا ہے وہ کرو کیونکہ جو سوال تم کرو گے اس کے لیے جو دعا میں کروں گا وہ دل کی تہہ سے نکلی جو ایک خاص کیفیت کے بعد ہوا کرتی ہے، صحابی نے کہا میرا سوال یہی ہے

کہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو، آپ نے فرمایا کہ پھر تم میری مدد کرو اس طرح کہ کثرت سے نماز پڑھا کرو تاکہ میں تمہارے لیے شفاعت کر سکوں۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے، حضرت ربیعہؓ بن کعب نے یوں سوال کیا کہ:-

یارسول اللہ اسئال ان تشفع لی الی ربك فیعتقنی من النار۔ (البدایہ والنہایہ ج۵ ص۲۲۵)	یارسول اللہ میں یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے دوزخ سے نجات دے۔

اس صریح اور مفسر روایت سے معلوم ہوا کہ سوال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال بایں معنی تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کریں تاکہ اللہ تعالیٰ دوزخ سے نجات دے کر جنت میں حضور کی رفاقت اور معیت نصیب کرے۔ بلکہ اس حدیث سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختارِ کل ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ آپ نے اس صحابی کو فرمایا کہ کثرتِ سجود سے تم میری مدد کرو، اصل یہ ہے کہ حقیقت میں مدد صرف اسی کی ہو سکتی ہے جو مختارِ کل نہ ہو، اور قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو، تو اس سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو۔

علاوہ بریں حضرات صحابہ کرامؓ کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ دنیائے دنی کا اتنا خیال رکھتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد

پر وہ اسی کا مطالبہ کرتے نیز اس باب (فضل السجود الخ) کی دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ ایک اور صحابی نے سوال کیا کہ حضرت مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں کہ جس کے کرنے سے میں جنّت میں داخل ہوسکوں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کثرت سے سجدہ (نماز) ادا کیا کرو (مسلم ج۱ ص۱۹۳) اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ سوال بھی مطلق نہ تھا، بلکہ ایسے اعمال کے ساتھ مقید تھا جن پر عمل پیرا ہو کر جنّت حاصل ہوسکتی ہے، اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب بھی تھا۔

رہا تکوینی امور کا سوال یا ہر ہر چیز کا سوال تو یہ باطل ہے، پہلے قرآن کی آیت گزر چکی ہے کہ غزوۂ تبوک میں چند حضرات صحابہ کرامؓ اس لیے شریک نہ ہوسکے تھے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری کا مطالبہ کیا تھا، اور آپ نے فرمایا تھا۔

لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ (پ۱۰۔ توبہ ع۱۲) کہ میں نہیں پاتا کوئی ایسی سواری جس پر تمہیں سوار کرسکوں۔

کیا مختارِ کل بھی یہ کہا کرتا ہے کہ میں نہیں پاتا؟ اگر ہر ہر چیز آپ کے اختیار میں تھی تو پھر لَآ اَجِدُ الخ کا کیا مطلب ہوگا؟ کیا آپ نے عمداً خلافِ واقع بات ارشاد فرمائی؟ (عیاذاً باللہ)

ایک روایت آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ چند ایک آدمی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے آئے آپ نے بیت المال سے ان کا سوال پورا کر دیا، وہ پھر دوبارہ آئے جو کچھ تھا آپ نے وہ اُن کو دے دیا، آگے الفاظ یہ ہیں۔

حتی نفد ما عندہ فقال ما یکون عندی من خیر فلن اذخرہ عنکم (الحدیث) بخاری ج۱ ص۱۹۵، نسائی ج۱ ص۲۷، ابو داؤد ج۱ ص۲۳۲ | یہاں تک کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو مال تھا وہ سب ختم ہو گیا، آپ نے فرمایا، میرے پاس جو مال ہوا تو میں اس کو ذخیرہ بنا کر نہ رکھوں گا کہ تمہیں نہ دوں۔

سوال یہ ہے کہ اگر آپ مختار کل تھے اور تمام امور کا م اور خزانے آپ کے پاس اور آپ کی ملک ہوتے (گو عطائی ہی سہی) تو آپ سے مال کیوں ختم ہو گیا؟ کیا مختار کل کے خزانے بھی خالی ہو سکتے ہیں اسی طرح ایک حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سائل آیا، آپ نے فرمایا۔

لا اجد ما اعطیک | میں تجھے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا۔

وہ شخص بگڑ گیا اور کہنے لگا، آپ جن کو چاہتے ہیں اُن کو دے دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔

یغضب علیّ ان لا اجد ما اعطیہ (نسائی ج۱ ص۲۷۹ وابو داؤد ج۱ ص۲۲۹) | یہ اس لیے ناراض ہوتا ہے کہ میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں۔

کیا مختار کل کی یہی شان ہوتی ہے؟ اے فرا حقیقی مختار کل کی شان

بھی سُن لیجئے، حضرت ابو ذر رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری تمام مخلوق انسان اور جن اگلے اور پچھلے ایک ہی میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کا ہر سوال پورا بھی کر دوں تو پھر بھی

ما نقص ذالک مما عندی الا کما	میرے خزانے میں اتنی کمی بھی نہیں ہو سکتی،
ینقص المخیط اذا ادخل البحر (الحدیث)	جتنی کہ سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے
(مسلم ج ۲ ص ۳۱۹، مستدرک ج ۴ ص ۲۴۱، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴،	کمی ہوتی ہے (محصلہ)
ترمذی ج ۲ ص ۷۴، ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۲۴، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۰۵)	

یہ ہے حقیقی مختار کل کہ تمام کائنات کے جملہ سوالات پورے ہو جائیں لیکن اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں کہ ایک موقع پر صرف ایک آدمی کا سوال بھی پُورا نہ کر سکے اور فرمایا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ میں تجھے دوں حتّٰی کہ وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔

لطیفہ: اگر فریقِ مخالف کے استدلالات کا یہی عالم رہا تو تمام نیک بندے بھی مُختارِ کُل ہو جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں پوچھنے لگا، حضرت کیا میں سوال کر سکتا ہوں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

لا وان کنت سائلا لا بُدّ	نہیں، اور اگر خواہ مخواہ سوال کرنا ہی ہو تو

فسئل الصالحین (نسائی ج ا صفحہ ۲۷۵، ابو داؤد ج ا صفحہ ۲۳۳، مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۳) نیک بندوں سے سوال کیا کرو۔

یہاں بھی سل مطلق ہے، اور فریقِ مخالف کی منطق کی رو سے تمام نیک بندے مختارِ کل ہو جائیں گے۔ (العیاذ باللہ)

حضرات! جب انسان صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے تو قدم قدم پر اس کو ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں، اگر فریقِ مخالف کے محقق صاحب پہلے ہی سے یہ سوچ لیتے کہ سل سے وہی مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس کے لائق ہے، نہ وہ کہ جو شانِ باری تعالیٰ کے شایانِ شان ہے تو پے در پے اتنی لغزشیں اُن کو پیش نہ آتیں۔

الغرض مسند احمد کے حوالہ سے شفاعت کی تصریح ہم نے نقل کر دی ہے اور مسلم ہی کے حوالہ سے دوسری روایت نقل کر دی گئی ہے کہ اس روایت میں سوال مقید ہے ایسے اعمال کے ساتھ جن کے کرنے سے جنت حاصل ہو سکے تو اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت ربیعہؓ کی روایت میں بھی سوال مطلق نہ تھا بلکہ تحصیلِ جنت کے ساتھ مقید تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے دُنیا میں بھیجا تھا کہ آپ ایسے اعمال بتلائیں جن کے کرنے سے مخلوقِ خدا جنت میں داخل ہو سکے اور آپ کی شفاعت اور دُعا اس پر مستزاد ہے اس حدیث سے تو نبی کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلّم کا معلّم، مبلغ، شفیع، مقبول الدعاء اور اللہ کا رسول ہونا ثابت ہوا نہ کہ مختارِ کُل ہونا جیسا کہ فریقِ مخالف کا باطل اور بے بنیاد دعویٰ ہے

سولہویں حدیث:۔

فریقِ مخالف کے فقیہ اعظم نے اپنی کتاب اربعین نبویہ ص۱۸ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مختارِ کُل ہونے پر یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے چچا ابو طالب کی صحت کے لیے دُعا فرمائی جب وہ اچھا ہو گیا، تو اُس نے کہا۔

ان ربك ليطيعك — کہ بیشک آپ کا رب آپکی اطاعت کرتا ہے۔

اس حدیث سے فریقِ مخالف نے یہ چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اختیارات اتنے وسیع تھے کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کو راضی کرتا اور آپ کی اطاعت کیا کرتا تھا (عیاذاً باللہ)

جواب:۔ یہ حدیث مستدرک ج۱ ص۵۴۲ وغیرہ میں آتی ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی ہے جس کا نام ہیثم بن جمّاز ہے علّامہ ذہبیؒ تلخیص ص۵۴۲ ج۱ میں لکھتے ہیں تو کوہ کہ محدثینِ کرامؒ نے اس کو ترک کر دیا تھا یعنی اس سے کوئی محدث روایت نہیں لیا کرتا تھا۔

اور میزان ج۳ ص۲۶۳ میں ہے کہ امام ابن معینؒ فرماتے تھے وہ ضعیف ہے، امام احمدؒ فرماتے تھے کہ اس کی ہر حدیث محدثینؒ نے ترک کر دی تھی،

اور امام نسائیؒ اس کو منکر الحدیث کہتے تھے۔

اور لسان المیزان ج۶ ص۲۰۵ میں ہے کہ امام ابن عدیؒ فرماتے تھے کہ اس کی حدیثیں افراد، غرائب اور غیر محفوظ ہیں، امام ابو زرعہؒ فرماتے تھے کہ وہ ضعیف تھا، امام ابو حاتمؒ اس کو ضعیف اور منکر الحدیث کہتے تھے محدث بزارؒ فرماتے تھے کہ اس کی وہ احادیث جن کو تنہا روایت کرے وہ قابلِ احتجاج نہیں ہیں۔ امام جوزجانیؒ فرماتے تھے وہ ضعیف ہے اور ثقاتؒ سے بے سروپا روایات نقل کیا کرتا تھا (راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ روایت بھی ثقاتؒ ہی کے طریق سے ہے) محدث ساجیؒ کہا کرتے تھے کہ وہ پرلے درجے کا متروک تھا، محدث برقیؒ اس کو جھوٹے اور کذّاب راویوں میں لکھتے اور شمار کرتے تھے۔

جوابِ دوم:۔ اگرچہ یہ روایت اپنی جگہ بے بنیاد اور محض ہیچ ہے لیکن افسوس کہ محدث جماعت نے اس روایت کے پورے الفاظ ہی نقل نہیں فرمائے ورنہ ہمیں جواب لکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی، اس حدیث کے بعض الفاظ یہ ہیں:۔

فقال ابو طالب ان ربّك بعثك لیطیعك قال انت یا عم ان اطعت اللہ لیطیعنّك۔	ابو طالب نے کہا بیشک تیرا وہ رب جس نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے وہ تو تیری اطاعت کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ اے چچا جان اگر آپ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت

اس کے لیے اس چیز کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہ جنّت میں جائے گا۔

فریقِ مخالف کے فقیہِ اعظم کا کہنا ہے کہ اگر جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جنّت کے مالک نہیں تو آپ نے یہ ضمانت کیوں دی؟ کیونکہ فضولی کی ضمانت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

جواب اوّل: ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم از خود کچھ نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ جو بھی فرماتے تھے وہ خدا تعالیٰ کا حکم اور امر ہوتا تھا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ — کہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنی خواہش سے نہیں بولا کرتے بلکہ جو بھی فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہی ہوتی ہے

اور یہ بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پہ نازل ہوتی تھیں تو ان قواعد کو ذہن نشین کرتے ہوئے اس میں کیا پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی جناب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یہ حکم پہنچایا کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کو محفوظ رکھے گا تو وہ جنّت کا مستحق ہے اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور وعدہ پر کمال جبر وسہ کرتے ہوئے اور تحصیلِ جنّت کی رغبت دلاتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں ضامن ہوں کہ جب سننے والے

اللہ تعالیٰ کے نبی کی زبان سے یہ سنیں گے تو اُن کو اس میں کوئی شک اور تردد واقع نہ ہوگا، کیونکہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سے زیادہ صادق اور قابلِ اعتماد اور کوئی بھی نہیں۔ حیث اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ یہ حکم پہنچایا اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر پورا اور مکمل بھروسہ کرتے ہوئے ضمانت کی حامی بھی بھری ہے، تو اس حکم کے سچا اور منتج ہونے میں کیا شبہ؟

تو اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا سچا ہونا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اللہ تعالیٰ کے حکم اور وعدہ پر بھروسہ کرنا اور مومنوں کا خدا اور اس کے رسول کا اعتبار کر کے اپنی شرمگاہ اور زبان کو محفوظ کر کے جنّت کے حاصل کرنے کا ثبوت ملتا ہے، نہ یہ کہ اس حدیث سے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مختارِ کل اور جنّت کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے (عیاذاً باللہ)

جواب دوم: اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جنّت کے مالک ہیں تو آپ اپنے چچا ابو طالب کو کیوں نہ بخشوا سکے بلکہ قرآن کریم اور صحیحین وغیرہ میں تو اس کی تصریح موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چچا کی مغفرت کی دعا سے بھی منع فرمادیا تھا اور یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت

فاطمہؓ اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ اور ان کے علاوہ اپنے خاندان کے دوسرے افراد کو بتصریح نام یہ فرمایا ہے کہ خود کو جہنّم کے عذاب سے بچا لو، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے بچانے کا مالک نہیں ہوں گا البتہ ایمان کے بعد قرابت کی وجہ سے شفاعت کرنا اور بات ہے) اگر جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جنّت کے مالک ہوتے، جیسا کہ فریق مخالف کا دعویٰ ہے تو آپ فرماتے کہ اے میری پیاری بیٹی! میں جنّت کا مالک ہوں کوئی فکر کی بات ہی نہیں نیکی کرو یا نہ کرو میں تمہیں جنّت میں داخل کر دوں گا۔

حضرات! جو ذات جنّت کی مالک ہے اس کو اس کی بھی قدرت ہے کہ ایک بازاری اور فاحشہ عورت کو اس لیے جنّت میں داخل کر دے کہ اُس نے ایک کتّے پر ترس کھا کر پانی پلا دیا تھا (صحیح بخاری و مسلم وغیرہ) اور وہ اگر چاہے تو سو آدمیوں کو قتل کرنے والے کو بھی جنّت میں داخل کر دے (صحیحین) اور اگر چاہے تو ایک شخص کو اس لیے جنّت میں داخل کر دے کہ اس نے راستہ سے ایک درخت کو اس لیے کاٹ دیا تھا کہ گزرنے والوں کو اس سے تکلیف ہوتی تھی (صحیحین) اور اگر چاہے تو ساری عمر نیکی کرنے والے کو جہنم میں ڈال دے اور بدکار اور سیاہ کار کو جنّت دے دے، چنانچہ مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ میں ایک روایت آتی ہے جس کا

کریں تو وہ ضرور آپ کی اطاعت کرے گا۔

فریقِ مخالف کے فقیہہ کی منطق کے رُو سے تو یہ ثابت ہے کہ ابوطالب بھی اگر ایمان لے آتا تو وہ بھی مختارِ کُل ہو جاتا، اور ضرور ہوتا کیونکہ نونِ ثقیلہ کی تاکید مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ کیسی ہوتی ہے؟ نیز یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اگر ابوطالب کے اس قول سے کہ خدا تیری اطاعت کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختارِ کل ہونا ثابت ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے کہ اے چچا جان تو بھی خدا کی اطاعت کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور تیری اطاعت کرے گا، کیوں ابوطالب کا مختارِ کل ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ کیونکہ ابوطالب کے قول سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول بہرحال زیادہ قابلِ قبول ہے اور وہ بھی اوّل میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید سے مؤکد اگر ایک اینچ کی کسر باقی نہ رہتی اور ابوطالب مسلمان ہو جاتا تو فریق مخالف کے مجتہدِ اعظم اور مجتہدِ زماں کے نزدیک تو وہ ضرور بالضرور مختارِ کُل ہو جاتا۔

(العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

ستائیسویں حدیث: ایک حدیث آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے کہ وہ اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ پر قابو پالے تو میں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باایں عز وشان جنت میں سب سے اعلیٰ مقام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے پہنچیں گے اور خود اپنے لئے بھی جنت کے مالک نہیں ہیں۔

جواب سوم :- اگر فریق مخالف کے نزدیک ضامن مختار کل ہوتا ہے تو لازم آئے گا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی مختار کل ہوں، چنانچہ دارمی ص ۳۸ میں ایک طویل حدیث ہے جس کا مضمون اور خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے جمع ہو کر یہ بدعت شروع کر دی کہ حلقہ باندھ کر مسجد میں بیٹھ گئے ایک ان میں سے کہتا جاتا، سو مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھو وہ سنگریزوں اور کنکریوں پر سو بار پڑھ لیتے، پھر وہ کہتا، سو بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھو، وہ سو بار تہلیل پڑھتے، پھر وہ کہتا سو بار سُبْحٰنَ اللّٰہ پڑھو، وہ سُبْحٰنَ اللّٰہ پڑھتے، حضرت عبداللہ بن مسعود کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھا تم کیا کرتے رہے، انہوں نے کہا ہم حمد وثناء تکبیر و تہلیل پڑھتے رہے، اور ان سنگریزوں پر سو سو بار ان کو گنتے رہے، حضرت عبداللہ نے فرمایا :-

فعدّوا من سیّاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیٔ	تم ان سنگریزوں پر اپنے گناہ گنو اور شمار کرو میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اس بدعت کو چھوڑنے سے) تمہاری نیکیوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فریق مخالف کے فقیہہ اعظم کی منطق کے رُو سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود بھی مختارِ کل تھے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اس بدعت کو چھوڑنے سے تمہاری نیکیوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

چونکہ یہ روایت صحیحین کی نہیں، اور ہم نے اس کو بطور شاہد اور اعتبار بھی نہیں پیش کیا بلکہ بطور احتجاج پیش کیا ہے، لہذا ہمارا فرض ہے کہ اس روایت کے راوی اور ان کی کتب اسماء الرجال سے توثیق بھی عرض کر دیں، رواۃ یہ ہیں:۔

۱۔ حکمؒ بن مبارکؒ، محدث ابن مندہؒ اور ابنِ حبانؒ ان کو ثقہ اور ابن سمعانیؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۸)

۲۔ عمروؒ بن یحییٰؒ محدث ابو داؤدؒ امام ابو حاتمؒ اور امام نسائیؒ اور علامہ ابن سعدؒ اور محدث عجلیؒ اور ابنِ نمیرؒ اور ابنِ معینؒ اور ابنِ حبانؒ وغیرہ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۱۹)

۳۔ عمرو اپنے باپ یحییٰؒ بن عمارہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰؒ بن عمارہؒ کو ابنِ اسحاقؒ امام نسائیؒ محدث ابن خراشؒ اور امام ابن حبانؒ ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۶)

۴۔ یحییٰؒ بن عمارہؒ اپنے والد عمارہؒ بن ابی حسن انصاریؓ سے روایت کرتے

ہیں، عمارہؒ بن ابی حسنؓ کو محدث ابنِ مندہؒ، ابو القاسم بغویؒ اور ابن حبانؒ صحابی بتلاتے ہیں (تہذیب جلد ۷ صفحہ ۴۲۱) اور حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں، کہ صحابی تو نہیں ہیں لیکن ثقہ ضرور تھے۔ (تقریب صفحہ ۲۷۶)

۵۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود جلیل القدر صحابی ہیں۔

دیکھئے ہم نے اس روایت کے تمام راوی اور ان کی ثقاہت کتب اسماء الرجال سے آپ کے سامنے بیان کردی ہے اور ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۸۴، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۹ اور مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۲۱ اور طبرانی صغیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ میں روایت ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الامام ضامن امام ضامن ہوتا ہے، تو کیا اس کا معنی یہ ہوگا کہ امام مختارِ کُل ہوتا ہے؟

مؤلف "نور ہدایت" کا اس سے برعم خود جواب دیتے ہوئے یہ کہنا کہ اس طرح ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ تم نماز پڑھو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں تم بُرے کاموں سے بچو میں جنت کا ذمہ دار ہوں الخ (صفحہ ۱۱۵) نری جہالت ہے۔

اولاً اس لئے کہ نبی معصوم کا ایسا فرمانا کچھ اور حقیقت اور حیثیت رکھتا ہے ایسا اعتماد اور کس کو حاصل ہے؟ اور غیر معصوم افراد اور بادشاہ کا کہنا اور حیثیت رکھتا ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔

ثانیاً خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے

صحیح اور صریح ارشاد پر یقین اور اعتقاد رکھ کر ہر مسلمان مسئلہ کے طور پر یہ کہہ سکتا ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی آخر حضرت ابن مسعودؓ نے بھی تو ایسے ہی موقع پر انا ضامن الخ فرمایا ہے باقی کفر و ارتداد یا ریا وغیرہ سے اعمال کا ضائع ہو جانا وغیرہ وغیرہ عوارض محل بحث نہیں ہیں، یہ انا ضامن کا قول بصورتِ مذکور تبھی درست ہو سکتا ہے کہ جب مُحبط امور صادر نہ ہوں، نیز مؤلّف مذکور کا یہ کہنا کہ الامام ضامن میں واقعی امام کو اس معاملہ میں ایک گونہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تمام مقتدیوں کی نماز فاسد کر سکتا ہے لہٰذا یہ تو ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے (محصلہ ص۱۱۸)

یہ بھی نری خوش فہمی یا جہل مرکب ہے کیونکہ نزاع عالم اسباب کے امور کا نہیں ہے کہ امام کی صحت و فسادِ نماز سے غلط استدلال کیا جا سکے جھگڑا ما فوق الاسباب امور میں ہے، کیا امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مقتدیوں کی نماز کو بایں طور فاسد اور باطل کر دے کہ ان کو نماز کا ثواب نہ دے یا ان کی نماز کو قبول کر کے ان کو جنّت میں داخل کر دے؟ اگر ایسا ہی ہے تو واقعی یہ حدیث مؤلّف مذکور کے دعویٰ کی دلیل ہے ورنہ نہیں، باقی ہمارا مدعیٰ بہر حال ثابت ہے کہ ضامن کا لفظ اُختار کُل ہونے کو نہیں چاہتا، بلکہ امام صرف صحتِ نماز کا

ضامن ہے اور یہ صحت عالمِ اسباب کے امور میں سے ایک امر ہے۔

اٹھارہویں حدیث:۔

فریق مخالف کے فقیہہ اعظم نے اس حدیث سے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختارِ کل ہونے پر استدلال کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:۔

ما اُری ربک الا یسارع فی ھواک (بخاری ج ۲ ص ۷۰۶ و مسلم ج ۱ ص ۴۷۳) یعنی میرا خیال یہی ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کی خواہش پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔

فریقِ مخالف کے فقیہہ اعظم کا کہنا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات اتنے وسیع تھے کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کی خواہشات پورا کرنے میں آپ کی رعایت کیا کرتا تھا۔

جواب: فریقِ مخالف کے فقیہہ اعظم کی عجیب ہی منطق ہے کہ حضرت عائشہ رض کے اس قول سے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختارِ کُل ثابت ہو سکتے ہیں لیکن خود باری تعالیٰ کے ارشاد اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک قول نہیں بلکہ کئی اقوال سے مختارِ کُل ہونے کی نفی ثابت نہیں ہوتی، حالانکہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کا قول حق اور صحیح ہونے کے علاوہ مبالغہ سے بھی یکسر خالی ہوتا ہے بخلاف دوسروں کے کہ ان کے قول میں مبالغہ بھی ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رض کا قول اور تقریری حدیث کا مطلب اپنی جگہ بالکل صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر دعائیں اور خواہشات پوری کی ہیں جن میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ ازواجِ مطہرات رض کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے وہی چیز نازل فرمائی، جس کو آپ پسند فرماتے تھے جس پر حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خواہشات کا پورا لحاظ کرتا ہے چنانچہ امام نووی اسی حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

یخفف عنك ویوسع علیك فی الامور ولھذا اخیرك - (نووی ج ۱ ص ۴۷۳)

یعنی اللہ تعالیٰ آپ سے بوجھ ہلکا کرتا اور آپ پر معاملات میں وسعت نازل کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے (ازواج مطہرات رض کے بارے میں) آپ کو اختیار دیا ہے۔

یعنی آپ کو اختیار ہے کہ جس زوجہ مطہرہ رض کو باری دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، مگر آپ بایں ہمہ سب کو باری دیتے تھے مگر حضرت سودہ رض بنت زمعہ نے اپنی باری خود ہی حضرت عائشہ رض کو ہبہ کر دی تھی، یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی ایک مطالبات اللہ تعالیٰ نے پورے کئے ہیں مثلاً آپ نے قبلہ کی تحویل کے بارہ میں جب اس کو پسند فرمایا کہ بجائے بیت المقدس کے کعبہ ہی قبلہ مقرر

ہو جاتے، تو اللہ تعالیٰ نے دوسرے پارہ کی ابتدا میں حکم نازل فرمایا کہ اے نبی، آپ جس قبلہ کو پسند کرتے ہیں اس کی طرف منہ پھیر لیں۔ (اگر آپؐ مختارِ کُل ہوتے تو جب ارادہ فرمایا تھا، اسی وقت اپنی خواہش کو پُورا کر گزرتے، لیکن چونکہ آپؐ مختارِ کُل نہ تھے، اس لیے آپؐ نے حکم خداوندی کی انتظار کی) مگر اس کے باوجود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر خواہش پُوری نہیں کی گئی، چنانچہ ہم نے پہلے اس کی تفصیل عرض کر دی ہے کہ آپؐ نے مشرکین کے فرمائشی معجزات کے مطالبات پر یہ خواہش کی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر فرما دے تو اس کے لیے کیا دشواری ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کہ بعض مصالح کی بناء پر) ایسا نہیں ہوگا، اگر آپؐ زمین میں سُرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر لا سکتے ہیں تو لے آیئے، اسی طرح آپؐ نے یہ خواہش کی کہ میرے چچا کی مغفرت ہو جائے، لیکن مغفرت تو کیا ہوتی، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دُعا ہی سے منع فرما دیا۔

مؤلف "نورِ ہدایت" کی جہالت یا خیانت ملاحظہ ہو کہ وہ مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وجدتہ فی غمرات من النار | میں نے ابُوطالب کو آگ میں ڈوبا ہوا پایا،
فاخرجتہ الی ضحضاح۔ | میں اُسے پاؤں تک کی آگ میں نکال لایا۔

اللہ اکبر! کیسا شان ہے اور کیسا شرف ہے، مختارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکرینِ نشان رسالت سے پوچھو کہ جو ایک ذرّہ کا بھی مالک و مختار نہ ہو۔ (العیاذ باللہ) اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ دوزخ کی آگ میں ڈوبے ہوؤں کو نکال لے، منکر کا خیال غلط اور باطل ہے لہ

(بلفظہ نور ہدایت ص ۱۲۶)

جواب:۔ یہ مؤلف مذکور کی اشد جہالت و خیانت ہے کیونکہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختارِ کائنات ہونے اور دوزخ سے مستحقین دوزخ کو نکالنا، آپ کے بس میں ہوتا، تو آپ ابو طالب کو بالکل ہی دوزخ سے کیوں نہ نکال لیتے اور اس کو ہلکے عذاب میں بھی کیوں چھوڑتے جس سے ابو طالب کا دماغ کھولتا ہے، اگر آپ کے اختیار اور تصرف میں ہوتا تو اس مہربان چچا کو جس نے زندگی بھر آپ کی پوری ہمدردی اور خدمت کی، آپ ان عذاب میں بھی کبھی نہ چھوڑتے اور اگر آپ متنازع فیہ معنٰی میں مختارِ کائنات ہوتے تو ابو طالب کے لیے دعائے مغفرت سے آپ کو کیوں منع کیا گیا تھا؟ کیا اللہ تعالےٰ نے آپ کو دوزخ میں ڈوبے ہوؤں کو نکالنے کی اجازت و اختیار اور تصرف دے کر پھر آپ پر یہ پابندی عائد کر دی کہ آپ دعائے مغفرت بھی نہیں کر سکتے؟ یا یہ اختیار آپ سے چھین لیا گیا تھا؟ کچھ تو فرمائیے،

مطلب حدیث کا بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم قانون کے تحت مشرک کی دوزخ سے رہائی تو کبھی نہیں ہو سکتی۔ ہاں محض آپ کے سبب سے نیز ابُوطالب کی آپ سے ہمدردی اور خدمت کی وجہ سے تخفیف عذاب ضرور ہوئی، چنانچہ اسی حدیث کی ابتداء میں ہے کہ ابوطالب آپ کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کیا کرتا تھا اور آپ کی طرف سے مدافعت کرتا تھا الخ

اور آپؐ نے فرمایا۔

لولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار (مسلم ج ۱ ص ۱۱۵)	اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

اور امام مسلمؒ کے وکیل امام نوویؒ نے ان احادیث پر یہ باب، قائم کیا ہے کہ :۔

باب شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ انتھی	آپ کی شفاعت اور آپ کے سبب سے ابُوطالب پر عذاب میں تخفیف ہوئی۔

کاش کہ مؤلف نور ہدایت باب، کا عنوان ہی دیکھ لیتے تو ٹھوکر نہ کھاتے۔

اور مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ اور مشکوٰۃ ص ۵۱۲ میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ میری امت آپس میں جھگڑا اور فساد نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول نہ فرمائی۔ نیز پہلے

یا حوالہ یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عبداللہ بن ابیّ رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھایا اور دعائے مغفرت کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا ہی سے منع کر دیا۔ اسی طرح آپ نے اپنے اُوپر بعض مصالح کی بناء پر شہد حرام کر دیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خواہش بھی پوری نہ ہونے دی اور سورۂ تحریم کے نزول کے بعد آپ کو قسم کا کفارہ ادا کرنے کے بعد شہد استعمال کرنا پڑا۔ اسی طرح آپؐ نے کفارِ قریش کے ایما پر اپنے مخلص ساتھیوں کو اپنی مجلس سے (اس مصلحت سے کہ مشرکین اس بات پر مصر تھے کہ ان کو آپ یہاں سے اُٹھا دیجئے تب ہم آپ کی تقریر سنیں گے) اُٹھانے کی خواہش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ وعلیٰ ھذا القیاس، آپ کی بہت سی خواہشات پوری نہ ہوئیں مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ کے قول مذکور سے مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کُلی طور پر یعنی سو فیصدی جملہ خواہشات پوری کر دی جاتی تھیں تو یہ قطعاً بدلائل مذکورہ باطل ہے اور اسی شق پر فریق مخالف کے دعوٰی کی بنیاد قائم تھی، اور اگر مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اکثر خواہشات پوری کی جاتی تھیں تو یہ مسلّم ہے لیکن اس سے فریقِ مخالف کا دعوٰی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ دعوٰی خاص ہے اور

دلیل خاص ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظِ نظر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور سے بفرضِ محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی ہر خواہش کو اللہ تعالیٰ پورا فرما دیتا تھا، تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم تمام مخلوق کی ہر خواہش کو پورا کر سکتے تھے، اور اس وجہ سے آپ، مختارِ کل ہوئے یعنی جو چیز اس حدیث سے ثابت ہے، وہ فریقِ مخالف کو مفید نہیں، اور جو چیز اُن کو مفید ہو سکتی ہے وہ اس حدیث سے ثابت نہیں، تو اس سے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختارِ کُل ہونے پر استدلال کرنا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

قارئین کرام! سلسلۂ کلام دراز ہوتا جا رہا ہے اور ڈر ہے کہ آپ کہیں اُکتا نہ جائیں، اس لیے فقط تین ہی حدیثیں ذکر کر کے اس باب کو ختم کیا جا رہا ہے۔

حدیثِ اوّل:۔ ایک واقعہ فریقِ مخالف یہ بیان کرتا ہے کہ جو آدمی میدانِ جہاد میں مجاہدین کے ساتھ شریک نہ ہو تو وہ مالِ غنیمت کا مستحق نہیں ہوتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگِ بدر میں باقاعدہ حصّہ دیا، معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کُل تھے،

جواب :- چونکہ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں، اس لیے آپ نے خود حضرت عثمانؓ کو چھوڑا کہ رقیہؓ زیادہ بیمار ہیں تمہارا رہنا ضروری ہے چنانچہ انہی ایام میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت عثمانؓ نے ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ اب بھی علمائے احناف اس کے قائل ہیں کہ اگر امیر لشکر کسی آدمی کو مسلمانوں کے کسی دوسرے کام پر لگا دے اور وہ شخص شریک جہاد نہ ہو سکے تو اس کو غنیمت کا مال باقاعدہ ملے گا، امام طحاویؒ اور امام ابن حجرؒ نے حنفیہ کا یہ مسلک وضاحت سے لکھا ہے نہ تو اس میں حضرت عثمانؓ کی خصوصیت ہے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی تخصیص فرمائی ہے فریق مخالف کے قاعدہ کی رُو سے ہر امیر لشکر مختارِ کُل ہو جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

حدیثِ دوم : ایک واقعہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جملہ حکام کے لیے رعایا سے تحفہ لینا حرام ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرتِ معاذؓ کے لیے حلال قرار دیا تھا،

جواب : حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۵ میں اور حافظ بدرالدین عینی حنفیؒ عمدۃ القاری جز ۱۱ صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں۔

ان الامام اذا اباح لہ ۔ کہ اب بھی اگر بادشاہ اور خلیفہ کسی ماتحت حاکم

قبول الهدیة لنفسه، فهو یطیب لهٗ — گویا اجازت دے کہ تم اپنے لیے ہدیہ قبول کر سکتے ہو تو اس کو یہ جائز ہے۔

یعنی حکام کا اپنے لیے تحفہ لینا اس وقت حرام ہے جب کہ امام اور خلیفۂ وقت کی طرف سے اجازت نہ ہو، اگر کسی مصلحت سے اجازت مل جائے تو ان کے لیے حلال ہے، اور آپ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا تھا میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا کہ یہ خیانت ہے (ترمذی ج۱ ص۱۵۹)

حدیثِ سوم :- فریق مخالف کا آخری حربہ ایک حدیث قدسی آتی ہے جس کا مضمون اور خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جب کثرت سے نوافل پڑھتا ہے (یا نفلی عبادات ادا کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اس حدیث کو پیش کر کے فریقِ مخالف کہا کرتا ہے کہ جیسے آگ اور لوہا دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن جب لوہا آگ میں گرم ہو جاتا ہے تو اسی طرح کا اثر اس میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو آگ کا ہوتا ہے، جس طرح آگ جلاتی ہے اسی طرح لوہا بھی جلاتا ہے، تو یونہی سمجھو کہ جب بندہ کثرت،

سے عبادات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات بندہ میں حلول کر جاتی ہیں، تو جو
کچھ بندہ کرتا ہے وہ حقیقتہً اس کا فعل نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے
یعنی مثلاً بندوق تو بندہ کے کندھے پر ہوتی ہے لیکن چلانے والا خود اللہ
تعالیٰ ہوتا ہے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مقبول
بندہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر اتم ہیں، جو
کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ
سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا آپ مختار کل ہوئے (العیاذ باللہ)

جواب:۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو پہلے کافر فرمایا ہے،
اور بعد میں ان کا عقیدہ بتلایا ہے کیونکہ انہوں نے یہی کہا تھا کہ حضرت مسیح
علیہ السلام فنا فی اللہ ہو گئے ہیں، ان میں اور اللہ تعالیٰ میں اتحاد ہو گیا ہے،
اب جو چیز حضرت مسیح کرتے ہیں وہ گویا خدا ہی کرتا ہے، اسی وجہ سے عیسائی
حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ کہتے تھے اور اسی وجہ سے جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے عبدیت سے نکال کر عیسائیوں کی
طرح اُوپر نہ لے جانا میں تو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (بخاری،
مسلم وغیرہ) مگر ان نام کے محبوں نے سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کی اتباع
کرتے ہوئے عیسائیوں کو بھی چند قدم پیچھے چھوڑ دیا ہے علامہ سید شریف
جرجانیؒ نے لکھا ہے کہ کفریہ عقیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

حلولہ فی بعض اشخاص الناس (شرح مواقف ص۷۲۹، نولکشور) | کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں حلول کر جاتا ہے۔

علامہ ابن حزمؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) اپنی شہرۂ آفاق تالیف میں لکھتے ہیں کہ:۔

وامامن قال ان اللہ عزوجل ھو فلان للانسان بعینہ اوان اللہ یحل فی جسم من اجسام خلقہ اوان بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً غیر عیسٰی بن مریم فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ لصحۃ قیام الحجۃ بکل ھذا علی کل احد (انتہی بلفظہ کتاب الفصل لابن حزمؒ ج۳ ص۲۴۹ باب الکلام فیمن یکفر ومن لا یکفر)

بہرحال جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فلاں ہے اور کسی معین آدمی کی طرف اشارہ کیا یا یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اجسام میں سے کسی کے جسم میں حلول کرتا ہے اور اس کا روپ بدلتا ہے یا یہ کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد سوائے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کوئی اور نبی آئے گا تو ایسے قائل کی تکفیر میں (آخر تک) دو آدمی بھی مختلف نہیں ہوتے کیونکہ ان میں سے ہر ایک پر ہر مسئلہ میں حجت قائم ہو چکی ہے۔

اس واضح تر عبارت سے جہاں مسئلہ توحید پر روشنی پڑتی ہے کہ مثلاً اگر کسی سے بطور معجزہ اور کرامت کوئی خارقِ عادت چیز سرزد ہو جائے، یا وہ مقبول الدعاء ہو تو اس کے متعلق یہ نظریہ قائم کرنا کہ وہ خدا ہے یا اس میں حلول کر گیا ہے، خالص کفر ہے۔

اسی طرح یہ عبارت مسئلہ ختم نبوّت اور نزول حضرت عیسی علیہ السلام پر بھی واضح ترین طریق پر روشنی ڈالتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی اور نبی کی آمد کا عقیدہ رکھنا سراسر کفر ہے، ہاں البتہ حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام کا آسمان سے نازل ہونا متواتر احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہوتا ہے، اور نصوص قرآنیہ اس کی مؤید ہیں بھلا اس کے خلاف عقیدہ رکھنا کس طرح اور کیونکر اسلامی ہو سکتا ہے؟ نعوذ باللہ منہا ومن اہلہا۔

قرآن کریم کی آیت ملاحظہ ہو۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ (پ۶، مائدہ، ع۳)	تحقیق سے وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح (میں حلول کر گیا) ہے۔

اب اس حدیث کا صحیح مطلب سن لیجئے، حضرت امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصّفات ص۳۴۵ میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر عزیزی پارہ تبارک الّذی، سورۂ مزمّل ص۱۲۷ میں اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر مع المعالم ج۵ ص۷۷ میں لکھا: یعنی جب بندہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے حق تعالٰے کا مقبول، جاتا ہے، تو اس کے سب اعضاء کا حق تعالیٰ خود محافظ ہو جاتا ہے

اور اس کے ہاتھ پاؤں، کان آنکھ سب خدا کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں، اس کی مرضی کے بغیر نہ کچھ دیکھے نہ سُنے۔ سو یہ مرتبہ نفل عبادت کی کثرت سے ہوتا ہے، اس واسطے کہ فرض کے اوقات مقرر ہیں ان میں کثرت ممکن نہیں ہے (محصلہ)

قارئینِ کرام کو یاد ہوگا کہ ہم نے ایک صحیح حدیث اس سے قبل نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے میرے بندے جب میں (یعنی میرا فلاں بندہ) بیمار ہو گیا تھا تو تُو نے میری تیمار داری نہیں کی، کیا فریقِ مخالف کے نزدیک خدا تعالیٰ بیمار، بھوکا، پیاسا سب کچھ ہو سکتا ہے؟ (العیاذ باللہ)

بخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخار اور درد شقیقہ وغیرہ بہت سے امراض لاحق ہوتے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ کی ذاتِ اقدس میں دو آدمیوں کا بخار جمع ہو جاتا تھا (محصلہ بخاری ج۲ ص۸۴۳) اور ایسا شدید درد شقیقہ طاری ہو جاتا تھا کہ آپ ایک ایک اور دو دو دن تک گھر سے نہیں نکل سکتے تھے (محصلہ مستدرک ج۳ ص۳۷۳ قال الحاکم والذہبی صحیح) خانصاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ بخار و درد سر تو مبارک امراض ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہوا کرتے (ملفوظات حصہ چہارم ص۲۲ و ۳۴ طبع لکھنؤ)

کیا مختارِ کُل کی یہی شان ہوتی ہے کہ اپنے نفس سے بھی بیماری دُور نہ کر سکے؟ امام بخاریؒ نے (ج۲ ص۶۳۷ میں) باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ الخ قائم کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی بیماری لاحق ہوئی اور اس سے آپ کی ذات اقدس پر کوئی طعن اور عیب نہیں آسکتا اور اس باب میں یہ حدیث بھی درج کی ہے کہ مرض الموت کے ایّام میں آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ خیبر کے مقام پر جو کھانا مجھے کھلایا گیا تھا جس میں زہر ڈالی گئی تھی اس کی تکلیف مجھے محسوس ہو رہی ہے میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میری رگِ جان کٹ رہی ہے (محصلہ ج۲ ص۶۳۷) اور وفات کے وقت جو شدّت آپ پر طاری ہوئی اس کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:۔

فلا اکرہ شدّۃ الموت لاحد ابدًا بعد النبی صلّی اللہ علیہ وسلم (بخاری ج۲ ص۶۳۹)	میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد کسی کے لیے کبھی بھی موت کی سختی کو ناپسند نہیں کرتی۔

وفات کے وقت آپ کے پاس ایک برتن رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا، آپ اس برتن میں ہاتھ مبارک ڈالتے اور تر کر کے اپنے چہرۂ اقدس پر ملتے پھر فرماتے۔

لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۴۰) — اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں بیشک موت کے لیے گوناں گوں سختیاں ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک موقع پر رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر سخت تکلیف طاری ہوئی آپؐ نے درد اور بے چینی کا اظہار فرمایا اور چارپائی پر کروٹ بدلتے رہے اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:۔

لو فعل ھذا بعضنا لوجدت علیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ان الصالحین قد یشدد علیھم الحدیث (موارد الظمآن صفحہ ۱۸۱) — کہ حضرت اگر یہ کاروائی ہم سے کوئی کرتا تو آپ اس پر ضرور ناراض ہوتے آپؐ نے فرمایا کہ نیک لوگوں پر کبھی تکلیف سخت اور زیادہ کی جاتی ہے۔

یعنی چونکہ میرا درجہ بلند ہے اس لیئے تکلیف بھی زیادہ ہو رہی ہے اور بشری تقاضا کے تحت اس کے اظہار سے کوئی چارہ نہیں۔

الغرض آپ پر بیماری وغیرہ کے عوارضات طاری ہوتے تھے اگر آپ مختارِ کُل ہوتے تو ایسا ہرگز نہ ہوتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

باب ششم

فریقِ مخالف بعض بزرگانِ دینؒ اور صوفیائے کرامؒ کی کچھ مجمل اور گول مول عبارتیں بھی پیش کیا کرتا ہے، مثلاً شیخ اکبر ابنِ عربیؒ اور علامہ شعرانیؒ، سید علی خواصؒ اور امام نوویؒ نے کہا ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شارع ہیں اور شارع کو حق پہنچتا ہے کہ جو چاہے سو کرے لیکن قرآن کریم اور احادیثِ متواترہ کے مقابلہ میں ایسی باتیں واجب الترک ہیں، آیئے خانصاحب بریلوی کی سُنیئے۔

ان عرسوں میں قوالوں کے ڈھول، سارنگی، باجے اور بانسری وغیرہ کے شرعاً ممنوع ہونے پر بحث کرتے ہوئے بخاری شریف جلد ۲ ص ۸۳۷ کی ایک حدیث نقل کرکے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں ضرور میری امت میں وہ لوگ ہونے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو حدیث صحیح جلیل متصل الخ

پھر آگے لکھتے ہیں بعض جہال بدمست یا نیم مُلّا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصّے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں، انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل پھر کجا محرّم کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے؟ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لانے یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں، اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں الخ

(احکام شریعت حصّہ اول ص ۲۶ طبع برقی پریس مراد آباد)

ہماری طرف سے خود جناب خانصاحب اور ان کی ذرّیت کو ہر ایسے مقام پر یہی جواب کافی ہے جہاں وہ نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ وصریحہ اور محکمات کے مقابلہ میں قصّے اور کہانیاں اور ضعیف حدیثیں اور بعض بزرگوں کی محتمل عبارات پیش کیا کرتے ہیں، اور دلیلِ محرّم کو چھوڑ کر مبیح کے چور دروازہ سے دین کی عمارت میں داخل ہو کر اپنے باطل عقائد اور بدعات کے جواز اور حق ہونے اور الزام ٹالنے کے لیے بے جا کاوش کیا کرتے ہیں انشاء اللہ

یہ عبارت ان کی ناکہ بندی کے لیے کافی ہے۔ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا۔

جب صحیح مرفوع اور محکم احادیث کے مقابلہ میں ایسی باتیں حجت نہیں تو جو مسئلہ قرآنِ کریم کی صدہا آیات اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے، اس کے مقابلہ میں غیر معصوم اور غیر مجتہد حضرات کی ایسی گول مول باتیں کب تسلیم ہو سکتی ہیں؟ خصوصاً جب کہ لفظ شارع محتمل ہے اس سے اللہ تعالےٰ کی ذات بھی مراد ہو سکتی ہے، تو اس لفظ سے کہ:-

وللشارع ان یخص من العمومات ما شاء | شارع کو حق حاصل ہے کہ عمومات میں سے جو چاہے خاص کرے۔

صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہی مراد لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ بلکہ حق یہی ہے کہ شارع کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے، علاوہ ازیں اگر شارع کا لفظ اس مقام پر یا کسی دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اطلاق ہوا ہے تو صرف مجاز کے طور پر نہ کہ حقیقتہً اور نزاع مجازی معنی میں نہیں حقیقی میں ہے۔

چنانچہ امام شعرانی الیواقیت والجواھر میں شیخ اکبر کے حوالہ

سے لکھتے ہیں۔

ونحن نعلم ان الشارع ھو اللہ تعالیٰ (الیٰ ان قال) فانہ صلی اللہ علیہ وسلم مُبلِّغٌ عن اللہ احکامہ فیما ارادہ اللہ تعالیٰ لاینطق قط عن ھوٰی نفسہ ولا یبنی شیئاً مِمّا امرہ بتبلیغہ اِنْ ھُوَ اِلّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (الیواقیت والجواھر ج۲ ص۲۲)

ہم یقیناً اعتقاد رکھتے ہیں کہ شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔۔۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے تھے اور اپنی طرف سے (دین کے معاملہ میں) کوئی بات نہیں بولتے تھے" نہ جس کی تبلیغ کا حکم ہے اس میں سے کوئی بات بھولتے تھے، آپ جو بولتے تھے وہ صرف وحی ہی ہوتی تھی۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی عبارت مقدمہ میں گزر چکی ہے کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ الغرض اگر کسی بزرگ کا کوئی قول کسی جگہ مجمل ہے تو ان ہی کی عبارت میں دوسری جگہ اس کی تفصیل بھی عموماً موجود ہے۔ اگر بالفرض اس کی کوئی مناسب تاویل آپ کو نہیں مل سکتی، تو قرآن کریم اور احادیث اور اجماع امت کے مقابلہ میں ان کی وہ بات مردود ہو گی نہ یہ کہ اس پہ دین کی اور خصوصاً عقیدہ کی عمارت استوار ہو سکتی ہے جب کہ خبرِ واحد صحیح

نہیں ہو سکتا، اور قرآن کریم کے مقابلہ میں خبرِ واحد صحیح کو بھی پیش کرنا خانصاحب بریلوی کے نزدیک محض ہرزہ بافی ہے تو نہ معلوم بزرگانِ دین کی بعض مجمل باتیں کیوں کر قرآن کریم اور احادیث کو رد کر سکتی ہیں؟ (العیاذ باللہ)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام میں سند الاولیاء سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ (المتوفی ۵۶۱ھ) کی ایک عبارت نقل کر دیں جس میں انہوں نے اپنی کتاب "فتوح الغیب" مقالہ ص۳۶ میں سالک کو انتہائی دلجمعی اور اخلاص کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ:-

واجعل الکتاب والسنۃ	کتاب و سنت کو اپنے سامنے رکھ اور
امامك وانظر فیھما واعمل	ان میں غور کر اور ان پر عمل کر اور لوگوں
بھما ولا تغتر بالقال والقیل	کے قیل و قال سے اور خواہش سے
والھوس قال اللہ تعالیٰ وَمَآ	دھوکہ نہ کھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا	کہ اور جو چیز تمہیں رسولؐ دے اس کو لو
نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا	اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز
اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ	آجاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیشک
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تخالفوہ فتترکوا	اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے
العمل بما جاء بہ وتخترعوا	اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول کی

لا نفسہ کم عملاً و عبادۃ کما
قال اللہ جلّ وعلا فی حق
قوم ضلوا عن سواء السبیل و
رَهْبَانِيَّةً ن ابْتَدَعُوهَا مَا
كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ثم ان قد
زکّی ھو عزّ وجلّ نبیّہ صلّی
اللہ علیہ وسلّم ونزّھہ من الباطل
والزّور فقال وَمَا يَنْطِقُ عَنِ
الْهَوٰى ه اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى
ای مَا اَتکلّم بِہٖ من عندی
لا من ھواہ و نفسہ فاتبعوہ ثم
قال قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ فتبیّن
انّ طریق المحبۃ اتباعہ صلی اللہ
علیہ وسلّم قولاً وفعلاً فالنبی صلّی
اللہ علیہ وسلّم قال الاکتساب
سُنّتی والتوکل حالتی فانت بین

مخالفت نہ کرو تاکہ تم اس چیز کو چھوڑ دو جس کو
وہ لے کر آئے ہیں اور نہ تم اپنے نفوس کے لیے
کوئی نیا عمل اور عبادت گھڑو اللہ تعالٰی
نے اس قوم کے بارے میں فرمایا ہے جو راہ
راست سے بھٹک گئی کہ انہوں نے رہبانیت
گھڑ لی ہم نے اُن پر وہ نہیں لکھی تھی (اور نہ
فرض کی) پھر اللہ تعالٰی نے اپنے نبی
صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفائی بیان کی ہے
اور ان کا دامن باطل اور جھوٹ سے منزّہ قرار دیا
ہے اور فرمایا ہے کہ وہ اپنی خواہش سے نہیں
بولتے وہ اسی کے مطابق بولتے ہیں جو
ان کی طرف وحی کی جاتی ہے یعنی جو چیز دہ
تمہیں دیتے ہیں وہ میری طرف سے ہوتی ہے اس
میں ان کی خواہش اور نفس کا دخل نہیں ہوتا
سو تم ان کی پیروی کرو پھر فرمایا تو کہہ دے کر
اگر تم اللہ تعالٰی سے محبّت کرتے ہو تو
میری پیروی کرو، اللہ تعالٰی تم سے محبّت

سُنّتِه وحالته ان ضعف
ايمانك فالكسب الذى هو
سُنّته وان قوى ايمانك فحالته
التى هى التوكل قال الله عزّو
جل وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوْا وقال
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى فَهُوَ حَسْبُه
وقال اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝
فقد امرك بالتوكل ونبّهك
عليه كما امر نبيّه صلّى الله عليه
وسلّم فاتبع اوامر الله ورسوله
فى اعمالك والا فهى مردودة
عليك وقد قال النبى صلّى
الله عليه وسلّم من عمل
عملاً ليس فيه امرنا فهو ردٌّ .
وهذا ايعم طلب الرزق
والاعمال والاقوال ليس
لنا نبى غيره فنتبعه ولا

کرے گا سو اُس نے بیان فرما دیا ہے کہ
اس کی محبّت کا طریقہ اس کے پیغمبر کی قولاً و فعلاً
اتباع میں منحصر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلّم نے فرمایا کہ کمانا میری سنّت ہے اور
توکل میری (باطنی) حالت ہے سو تجھے آپ کی
سنّت اور حالت و طریقت دونوں پر عمل
کرنے کا حق ہے اگر تیرا ایمان کمزور ہے
تو کمائی کرو۔ جو آپ کی سنّت ہے اور اگر تیرا
ایمان قوی ہے تو آپ کی حالت و طریقت
پر عمل کرو جو توکل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
اور اللہ ہی پر تم توکل کرو اور فرمایا اور جو اللہ
پر توکل کرے گا تو اللہ اس کو کافی ہے اور
نیز فرمایا کہ بیشک اللہ توکل کرنے والوں
کو پسند کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تجھے
توکل کا حکم دیا ہے اور اس پر تجھے تنبیہ فرمائی
ہے جیسا کہ اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ
وسلّم کو یہ حکم دیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے اوامر

كتاب غير القرآن فنعمل
به فلا تخرج عنهما
فتهلك فيضلك هواك
والشيطين قال الله تعالىٰ
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فالسلامة
مع الكتاب والسنة والهلاك
مع غيرهما وبهما يترق
العبد الى حالة الولاية
البدلية والغوثية تم ذلك
(ص ۶۲ و ۶۳ مطبع الحنفى
باهتمام كريم بخش
سنه ۱۲۷۲ھ)

اس کے رسول کے احکام کی تمام اعمال
میں پیروی کرو ورنہ یہ اعمال تجھ پر رد کر
دیئے جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے
بھی کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو سو
وہ مردود ہے اور یہ رزق اعمال اور اقوال
سب کو شامل ہے کیونکہ آپ کے بغیر ہمارا کوئی
اور نبی نہیں جس کی ہم پیروی کریں اور نہ قرآن
کے بغیر کوئی اور (خدائی) کتاب ہے جس پر ہم
عمل کریں سو تو قرآن و سنت سے نہ نکل اگر تو
نے ایسا کیا تو تو ہلاک ہو جائے گا اور تیری خواہش
اور شیاطین تجھے بہکا دیں گے اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ تو خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھے اللہ تعالیٰ
کے راستہ سے گمراہ کر دے گی پس سلامتی کتاب و
سنت میں ہے اور ان کے سوا ہلاکت ہے اور قرآن
و سنت ہی کی وجہ سے انسان ولایت ابدالیت اور
غوثیت کے مرتبہ کو پہنچتا ہے۔

قارئین کرام! ہم نے اختصاراً مسئلہ مختارِ کل کو اپنی بے بضاعتی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بے نقاب کر دیا ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرا اور جملہ اہلِ توحید کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اور بندۂ ناچیز کا اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ ؎

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر قلمِ عفو بر گناہم کش

اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے کی اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین! وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ و اصحابہ وجمیع امتہ الیٰ یوم الدین۔ آمین۔

احقر الناس

ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ

و

صدر مدرس مدرسہ "نصرۃ العلوم" گوجرانوالہ

۱۶ر شوال ۱۳۷۹ھ

۱۴ر اپریل ۱۹۶۰ء